ماہنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

URDU MONTHLY MAGAZINE

August 2025

مُدیرمسئول

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

مُدیرتحریر

مولانا محمد صغیر قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن دعوت الی الحق کیرانہ ضلع شاملی کا

علمی، دینی، تحقیقی واصلاحی ترجمان

ماہنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

جلد (۱۳) صفر ۱۴۴۷ھ، مطابق اگست ۲۰۲۵ء شمارہ (۲)

مدیر مسئول

حضرت مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

بانی ومہتمم جامعۃ السعادۃ کیرانہ وصدر انجمن دعوت الی الحق

مدیر تحریر

محمد صغیر قاسمی

09897855010

sagheerqasmi@gmail.com

ترسیل کے لیے رابطہ کریں: محمد معظم رحمانی قاسمی 09359602830

موبائل نمبر: 09359602830 ای میل: tahqiqateislami2011@gmail.com

شرح خریداری:

فی شمارہ: ۳۰/روپے سالانہ: ۳۰۰/روپے اعزازی: ۵۰۰۰/روپے

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ہر طرح کی قانونی کارروائی کا حق صرف عدالتِ کیرانہ ہی کو ہوگا۔

خط وکتابت کا پتہ:

دفتر ماہنامہ "تحقیقاتِ اسلامی"

جامعۃ السعادۃ

محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ، کیرانہ ضلع شاملی (یوپی) انڈیا

Add: Office Tahqiqat-e-Islami
Jamiatus Sa'adah, Moh.Ibrahimpura
(Aal Kalan) Shamli Road, Kairana
Distt. Shamli (U.P.) India
A/c No. 3023002100004803
TAHQIQAT-E-ISLAMI
Punjab National Bank, Branch: Kairana

ناشر

تحقیقاتِ اسلامی

۲۴۱ آل خورد (ملتانیان) کیرانہ ضلع شاملی (یو۔پی) ۲۴۷۷۷۴

پرنٹر پبلشر محمد عرفان نے جیوتی پرنٹنگ پریس منگلا مارکیٹ نزد مالویہ چوک، مظفرنگر سے طبع کرا کے دفتر تحقیقاتِ اسلامی ۲۴۱ آل خورد (ملتانیان) کیرانہ شاملی سے شائع کیا۔

آئینہ

صریرِ خامہ

اے اللہ اہلِ غزہ پر رحم فرما — محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی — (۳)

درسِ قرآن

تفسیر سورۂ قلم — مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی — (۵)

مقالات ومضامین:

ماہِ صفر کو منحوس سمجھنا — مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی — (۹)

... لائحۂ عمل — مولانا خالد سیف اللہ رحمانی — (۱۰)

مفہومِ قرآن اور مصنوعی ذہانت — ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی — (۱۵)

دلوں پر گناہوں کے اثرات..... — مفتی تنظیم عالم قاسمی — (۲۶)

اولڈ ایج ہاؤس — مولانا سید انور شاہ — (۳۱)

شادی جلدی کرو اور سادی کرو — محمد ناصر ندوی پرتاپ گڑھی — (۳۵)

اسلامی تہذیب میں عورتوں کا کردار — ڈاکٹر ساجد خاکوانی — (۳۸)

سائنس اور قرآن — مولانا ثمیر الدین قاسمی — (۴۲)

فقہ وفتاوی — ادارہ — (۴۳)

افسانہ

قصہ چہار درویش — میر امن دہلوی — (۴۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صریر خامہ

اے اللہ! اہل غزہ پر رحم فرما

محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

اسرائیل کی جانب سے غزہ میں شروع کئے گئے قتل عام اور محاصرے کو تقریباً دو سال مکمل ہونے کو ہیں۔ اس دوران لاکھوں انسانوں کو جس میں بچے، عورتیں، مریض، بوڑھے، اپاہج سب شامل ہیں قتل کیا گیا، ان کے گھروں کو بلڈوز کیا گیا، آباد و شاداب غزہ کو ویران کیا گیا اور اس سے بھی تسلی نہ ہوئی تو ان کا دانہ پانی اور ملنے والے ریلیف کو بند کر کے ایسا محاصرہ کیا گیا کہ بھوک پیاس سے بچے بلبلا رہے ہیں، مائیں چیخ رہی ہیں اور مریض تڑپ رہے۔

اس وقت تقریباً بیس لاکھ فلسطینی ظلم و بربریت کی اس چکی میں پس رہے ہیں، جن کے پاس نہ کھانے کو دانہ ہے، نہ پہننے کو کپڑا ہے، نہ رہنے کو سایہ ہے، نہ علاج کے لئے اسپتال اور دوا ہے۔ وہ کھلے آسمان کے نیچے بے یار و مددگار ظالم اسرائیل کی درندہ فوجوں کے رحم و کرم پر کھلے صحرا میں بھٹک رہے ہیں، اگر کہیں سے کوئی سامان آ بھی جاتا ہے اور لوگ لینے کے لئے دوڑتے ہیں تو درندہ فوجیں انہیں گولیوں سے بھون دیتی ہیں۔

اور یہ سب اس امریکہ، برطانیہ اور یورپ کی سرپرستی میں ہو رہا ہے، جو حقوق انسانی کا علمبردار اپنے آپ کو کہلاتے نہیں تھکتے اور مسلمانوں کو اس بات پر طعنہ دیتے ہیں کہ تم لوگ حقوق انسانی کو پامال کرتے ہوئے عورتوں کو برقعہ پہناتے ہو۔

اس ظلم و بربریت کے حوالے سے عرب کے وہ حکمراں بھی کم مجرم نہیں ہیں، جنھوں نے اپنی غیرت و حمیت کا سودا یورپ اور امریکہ کے ہاتھوں کر رکھا ہے اور اسرائیل سے تعلقات استوار کرنے کے لئے بیچین رہتے ہیں۔ جس اسرائیل نے غزہ کا محاصرہ کر کے وہاں کے عرب مسلمانوں کو بھوکوں مرنے پر مجبور کر دیا ہے، اسی اسرائیل کو تیل، کھانے پینے کی بہت سی اشیاء اور دیگر ضروریات کے سامان انہی مسلم ملکوں سے یا ان کے راستے سے روزآنہ اسرائیل جاتا ہے، اور یہ بے غیرت اس کی سپلائی تک روکنے کی ہمت نہیں کرتے۔

اس سخت محاصرہ اور قتل عام کے باوجود جب اسرائیل اہل غزہ کی ہمت و جرأت، شجاعت و بہادری اور حمیت و غیرت کو کچل نہ سکا اور ان کے جذبہ آزادی کو ختم نہ کر سکا، تو اب اس نے ایک نئے خطرناک منصوبے کا اعلان کر دیا ہے، اور وہ ہے پورے غزہ پر قبضے کا فیصلہ۔ جس کے تحت: غزہ سٹی سمیت شمالی غزہ میں اسرائیلی فوج کا براہِ راست کنٹرول قائم

کر کے، لاکھوں فلسطینیوں کو مزید جنوبی حصے یا بیرونِ ملک ہجرت پر مجبور کیا جائے گا۔ یہ اس قدر خطرناک منصوبہ ہے کہ خود اسرائیلی فوج کے چیف آف اسٹاف لیفٹیننٹ جنرل ایئل زامیر نے اس منصوبے کی مخالفت کی ہے، جس کا کہنا ہے کہ یہ آپریشن معصوم شہریوں اور ابھی بھی زیرِ حراست صہیونی یرغمالیوں کی زندگی کے لیے خطرہ ہے۔ لیکن نیتن یاہو ہے کہ اس منصوبے پر عمل کرنے کے لئے بیچین ہے۔ عالمی طاقتوں نے اگر اس منصوبے پر عمل کرنے سے اسرائیل کو نہ روکا تو اہل غزہ کا کیا حال ہوگا، اور ان پر کس قسم کے مظالم ڈھائے جائیں گے اس کا اندازہ بھی لگانا مشکل ہے۔

یاد رہے مسجدِ اقصیٰ کی حفاظت کی ذمہ داری صرف اہل فلسطین کی نہیں ہے، بلکہ یہ ہمارا قبلہ اول ہے، پوری امت مسلمہ کا روحانی ورثہ ہے اور اس کی حفاظت و بازیابی کی ذمہ داری پوری امت مسلمہ کی ہے۔ اگر ظالم اسرائیل کے پنجوں کو یہیں نہ مڑور دیا گیا، تو مکہ و مدینہ زادھما اللہ شرفاً وعظماً پر، بلکہ پورے جزیرۃ العرب پر اس کی نظر ہے۔

عرب آج ساحل پر بیٹھ کر طوفان کا نظارہ کر رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ وہ محفوظ ہیں، یہ ان کی خام خیالی ہے۔ اسرائیل اگر غزہ پر مکمل کنٹرول حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے، تو اس کی دوسری منزل عرب ممالک ہی ہیں۔ اس لیے اہل عرب کو بیدار ہوجانا چاہئے اور اہل غزہ کی مدد کے لیے اٹھ کھڑا ہونا چاہیے، صرف اس لئے نہیں کہ اہل غزہ پر ظلم ہو رہا ہے، بلکہ اس لیے بھی کہ یہ جنگ کل آپ کے دروازے پر بھی آسکتی ہے۔

ہم لوگوں کو بھی چاہیے کہ ان مظلوموں کے لیے اللہ تعالی سے دعا مانگیں کہ اے اللہ ان کے حال پر رحم فرمایا، ان کی مدد کے لیے فرشتوں کا لشکر بھیج دے۔ مسجد اقصیٰ کی حفاظت فرمایا، حرمین کی حفاظت فرما۔ یہ دعائیں اجتماعی بھی ہوں اور انفرادی بھی۔

****

مصلح ملت حضرت مولانا محمد یار پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

(۱) بچوں کے دل کی تختی بالکل صاف ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا پہلے اس کو اللہ و رسول کی محبت اور اسلامی تعلیمات سے بھر دینا چاہیے۔ اسکے بعد کچھ اور لکھے۔

(۲) جیسا چشمہ ہوتا ہے ویسا ہی نظر آتا ہے یعنی آدمی کے جیسے خیالات ہوتے ہیں۔ اسی نظر سے چیزوں کو دیکھتا ہے۔ اسی لئے شریعت میں نظریات اور عقائد کی اصلاح پر بہت زور ہے۔

درس قرآن کریم

سُوْرَۃُ الْقَلَمِ

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ ۝

ترجمہ:

نٓ، قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں۔ تو نہیں اپنے رب کے فضل سے دیوانہ۔

تشریح وتفسیر

اس سورۃ کا نام ''ن'' بھی ہے اور ''القلم'' بھی۔ یہ دونوں الفاظ سورۃ کے آغاز ہی میں موجود ہیں۔ جمہور اہل علم کے نزدیک سورتوں کے نام محض شناخت کے لیے ہیں۔ جس طرح باقی ناموں میں اسم سے مراد اس کا مسمیٰ ہوتا ہے۔ اسی طرح سورۃ کے نام سے لفظ کا مفہوم مراد نہیں، بلکہ وہ سورۃ مراد ہے جس کا وہ نام ہے۔ البتہ بعض اہل علم نے ان اسماء کے معنی و مفہوم کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن ان میں سے کوئی کوشش بھی نہ حتمی ہے اور نہ مکمل۔

زمانۂ نزول:

جمہور کے نزدیک یہ سورۃ بھی مکے میں نازل ہوئی ہے۔ حسن وعکرمہ وعطاء کا بھی یہی قول ہے۔ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ سب سے اول ''اقرء'' نازل ہوئی۔ پھر سورۂ نون، پھر مزمل، پھر مدثر۔ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی یہی فرماتی ہیں کہ یہ سورۃ مکے میں نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ کچھ مکے اور کچھ مدینے میں نازل ہوئی۔ (حقانی)

سورۃ الملک اور اس سورۃ کا زمانۂ نزول قریب قریب معلوم ہوتا ہے۔ البتہ اس کے لب ولہجہ کی تیزی کو دیکھتے ہوئے یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ یہ سورۃ اس زمانے میں نازل ہوئی ہے جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت میں کسی حد تک تیزی آ چکی تھی اور قریش نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعوت کے اثر کو کم کرنے کے لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں بے سروپا باتیں کہنا اور الزامات کا طوفان اٹھانا ایک معمول بنا لیا تھا۔ (روح القرآن)

ماقبل سے ربط:

سورۂ ملک میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور توحید اور علم وقدرت کے دلائل، مشاہدہ کائنات سے بیان ہوئے ہیں اور کفار

ومنکرین پرعذاب شدید کا ذکر ہے۔سورۂ نون میں کفار کے ان مطاعن کا جواب ہے جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیا کرتے تھے۔سب سے پہلا ان کا طعنہ یہ تھا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے کامل العقل کامل اعلم جامع الفضائل رسول کو معاذ اللہ مجنون کہتے تھے یا اسوجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو وحی فرشتہ کے ذریعہ نازل ہوتی تھی بوقت وحی اس کے آثار آپ کے جسم مبارک پر دیکھے جاتے تھے، پھر آپ وحی سے حاصل شدہ آیات پڑھ کر سناتے تھے، یہ معاملہ کفار کے فہم و ادراک سے باہر تھا۔اس لئے اس کو جنون قرار دے دیا اور یا اسوجہ سے کہ آپ نے اپنی قوم اور پوری دنیا کے عقائد موجودہ کے خلاف یہ دعویٰ کیا کہ عبادت کے قابل اللہ کے سوا کوئی نہیں۔

جن خودتراشیدہ بتوں کو وہ خدا سمجھتے تھے ان کا بے علم وشعور نا قابل نفع وضرر ہونا بیان کیا، آپ کے اس عقیدہ کا کوئی ساتھی نہ تھا، آپ اکیلے یہ دعویٰ لے کر بغیر کسی ظاہری ساز وسامان کے ساری دنیا کے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے۔ظاہر بیں نظروں میں اس کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں تھا، ایسے دعوے کو لے کر کھڑا ہونا جنون سمجھا گیا اور بغیر کسی سبب کے بھی بعض طعن برائے طعن ہوسکتا ہے کہ مجنون کہتے ہوں، سورۃ نون کی ابتدائی آیتوں میں ان کے اس خیال باطل کی تردید قسم کے ساتھ مؤکد کر کے بیان فرمائی ہے۔(معارف القرآن)

حروف مقطعات کی تحقیق:

''نٓ'' یہ حروف مقطعات میں سے ہے۔

بہت سی سورتوں کے شروع میں چند حرفوں سے مرکب ایک کلمہ لایا گیا ہے جیسے الٓمٓ، حٰمٓ، الٓمٓصٓ وغیرہ (یا غیر مرکب لائے گئے ہیں، جیسے'' صٓ، نٓ ''وغیرہ) ان کو اصطلاح میں حروف مقطعہ کہا جاتا ہے، ان میں سے ہر حرف جدا جدا ساکن پڑھا جاتا ہے، الف، لام، میم۔

حروف مقطعہ جو اوائل سورۃ میں آئے ہیں ان کے متعلق بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ ان سورتوں کے نام ہیں، بعض حضرات نے فرمایا کہ اسماء الٰہیہ کے رموز ہیں، مگر جمہور صحابہ وتابعین اور علماء امت کے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ حروف رموز اور اسرار ہیں، جس کا علم سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کو نہیں اور ہوسکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا علم بطور ایک راز کے دیا گیا ہو، جس کی تبلیغ امت کے لئے روک دی گئی ہو۔اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان حروف کی تفسیر وتشریح میں کچھ منقول نہیں۔امام تفسیر قرطبی نے اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

ان کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ؛ عامر شعبی، سفیان ثوری اور ایک جماعت محدّثین نے فرمایا ہے کہ ہر آسمانی کتاب میں اللہ تعالیٰ کے کچھ خاص رموز واسرار ہوتے ہیں، اسی طرح یہ حروف مقطعہ قرآن میں حق تعالیٰ کا راز ہے، اس لئے یہ ان متشابہات میں سے ہیں، جن کا علم صرف حق تعالیٰ ہی کو ہے، ہمارے لئے ان میں بحث وگفتگو بھی جائز نہیں، مگر اس کے باوجود ہمارے فائدے سے خالی نہیں۔اول تو ان پر ایمان لانا، پھر ان کا پڑھنا، ہمارے لئے ثواب عظیم ہے، دوسرے ان

کے پڑھنے کے معنوی فوائد و برکات ہیں جو اگرچہ ہمیں معلوم نہ ہوں مگر غیب سے وہ ہمیں پہنچتے ہیں۔

پھر فرمایا: حضرت صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی، علی مرتضٰی، عبداللہ بن مسعود وغیرہ جمہور صحابہ کا ان حروف کے متعلق یہی عقیدہ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسرار ہیں، ہمیں ان پر ایمان لانا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں اور جس طرح آئے ہیں ان کی تلاوت کرنا چاہئے، مگر معنی معلوم کرنے کی فکر میں پڑنا درست نہیں، ابن کثیر نے بھی قرطبی وغیرہ سے نقل کر کے اسی مضمون کو ترجیح دی ہے اور بعض اکابر علماء سے جو ان حروف کے معنی منقول ہیں اس سے صرف تمثیل و تنبیہ اور تسہیل مقصود ہے، یہ نہیں کہ مراد حق تعالیٰ یہ ہے، اس لئے اس کو بھی غلط کہنا تحقیق علماء کے خلاف ہے۔ (معارف القرآن، تفسیر سورۃ بقرہ)

اس کی کتابت بصورت حرف ''ن'' کی جاتی ہے اور تلفظ سکون کے ساتھ (یعنی نون) کیا جاتا ہے۔ خواہ وصل کے ساتھ پڑھا جائے یا وقف کے ساتھ۔

''وَالْقَلَمِ'' (قسم ہے قلم کی)

واؤ قسمیہ ہے، ''الْقَلَمِ'' سے مراد وہی قلم ہے، جس سے لوح محفوظ کی تحریر لکھی گئی ہے۔ حضرت عبادہؓ بن صامت کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے اوّل اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا: لکھ! قلم نے عرض کیا: کیا لکھوں؟ ارشاد فرمایا: تقدیر کو لکھ۔ چنانچہ قلم نے ہر وہ چیز لکھ دی جو گزر گئی اور آئندہ کبھی بھی ہونے والی ہے۔ (ترمذی نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد غریب کہا ہے)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ نے مخلوقات کی تقدیریں (اندازے) لکھ دیئے تھے اور اس کا تخت (حکومت و اقتدار) پانی پر تھا۔ (مسلم) بغوی نے کہا: (تقدیریں لکھنے والا) قلم نور کا تھا، جس کا طول آسمان و زمین کی درمیانی مسافت کے برابر تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ''الْقَلَمِ'' سے عام قلم مراد ہو۔ قلم کے فوائد بکثرت ہیں، اس لیے اللہ نے اسکی قسم کھائی۔ (مظہری)

اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ قلم اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے، جو اس نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک قلم، قلم تقدیر پیدا فرمایا جس نے تمام کائنات و مخلوقات کی تقدیریں لکھ دیں، پھر دوسرا فرمایا جس سے زمین پر بسنے والے لکھتے ہیں اور لکھیں گے، اس دوسرے قلم کا ذکر سورۃ اقراء میں آیا ہے (آیت) عَلَّمَ بِالْقَلَمْ۔ واللہ اعلم (معارف القرآن)

''وَمَا يَسْطُرُوْنَ'' (قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں)

کون لکھتے ہیں؟ کون لکھنے والے مراد ہیں؟ اگر قلم تقدیر مراد ہو تو لکھنے والے سے یہی مراد ہوگا (لیکن قلم تقدیر تو ایک ہے اور ''يَسْطُرُوْنَ'' جمع کا صیغہ ہے۔ تعظیماً قلم تقدیر کی طرف ضمیر جمع راجع کی۔ (جیسے بڑے آدمی کیلئے تعظیماً جمع

کے صیغے استعمال کیے جاتے ہیں)۔لیکن اگر عام قلم مراد ہوتو جنس قلم کی طرف (بوجہ کثیر الافراد ہونے کے) ضمیر جمع راجع ہوگی۔تحریر کی نسبت آلۂ تحریر کی طرف کی گئی (قلم آلۂ تحریر ہے) کیونکہ قلم کو اہل قلم کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔مؤخر الذکر صورت میں اہل قلم کی طرف بھی ضمیر لوٹ سکتی ہے، یا اعمالنامے لکھنے والے فرشتے مراد ہیں یا علماء مراد ہیں جو علوم دین لکھتے ہیں۔(مظہری)

بہرحال اس آیت میں قلم تقدیر یا عام قلم خلائق کی اور پھر لفظ ''يَسْطُرُوْن '' میں جو کچھ ان قلموں سے لکھا گیا یا لکھا جائے گا اس کی قسم کھا کر حق تعالیٰ نے کفار کے اس طعنہ باطلہ کا رد فرمایا کہ آپ مجنون ہیں: ارشاد ہوا:

''مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْن ''(تو نہیں اپنے رب کے فضل سے دیوانہ) یعنی آپ اپنے رب کی نعمت و فضل کی وجہ سے ہرگز مجنون نہیں، اس میں ''بِنِعْمَةِ رَبِّكَ ''بڑھا کر دعویٰ کی دلیل بھی دے دیا کہ جس شخص پر اللہ تعالیٰ کی نعمت ورحمت مکمل ہو وہ کیسے مجنون ہوسکتا ہے اس کو مجنون کہنے والا خود مجنون ہے۔

فائدہ: علماء نے فرمایا ہے کہ قرآن کریم میں حق تعالیٰ جس چیز کی قسم کھاتے ہیں وہ مضمون قسم پر ایک شہادت ہوتی ہے، یہاں ''وَمَا يَسْطُرُوْن '' کے لفظ سے دنیا کی تاریخ میں جو کچھ لکھا گیا اور لکھا جارہا ہے، اس کو بطور شہادت پیش کیا ہے کہ دنیا کی تاریخ کو دیکھو، ایسے اعلیٰ اخلاق واعمال والے کہیں مجنون ہوتے ہیں، وہ تو دوسروں کی عقل درست کرنے والے ہوتے ہیں۔(معارف القرآن)

****

تحقیقاتِ اسلامی محض ایک ماہ نامہ یا رسالہ نہیں ہے، بلکہ ایک دینی، علمی، اصلاحی اور فکری تحریک ہے، جس کا مقصد مغربی تہذیب اور اس کے عریاں وفحش لٹریچر سے متأثر افراد کے رُخ کو موڑ کر قرآن وحدیث کی تعلیمات اور اسلامی تہذیب وتمدن کی جانب مائل کرنا ہے۔قارئین حضرات سے درخواست ہے کہ اس تحریک سے جڑیں، گھر گھر اسے پہنچانے میں ہمارا تعاون کریں اور لوگوں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیں۔ (ادارہ)

مقالات ومضامین

ماہِ صفَر کو منحوس سمجھنا

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

اسلامی سال کا دوسرا مہینہ ”صَفرُ المُظَفَّر“ چل رہا ہے، اسلام سے پہلے اس مہینہ کو منحوس، آسمانوں سے بلائیں اترنے والا اور آفتیں نازل ہونے والا مہینہ سمجھا جاتا تھا۔ اور لوگ اس ماہ میں خوشی کی تقریبات، شادی، بیاہ اور ختنہ وغیرہ کرنے کو منحوس سمجھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیہ وسلم نے جس طرح زمانۂ جاہلیت کی بہت سی چیزوں کی تردید فرمائی اور غلط افکار ونظریات کو ختم کیا، اسی طرح اس ماہ کو منحوس سمجھنے کی بھی تردید فرمائی: چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال النبی صلی الله علیه وآله وسلم: ”لا عَدْوَی ولا صَفَرَ ولا هَامَةَ“۔ (صحیح البخاری، کتاب الطب، باب الهامة، الحدیث: ۵۷۷۰)

یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ایک شخص کی بیماری، دوسروں کو خود بخود لگ جانے کا عقیدہ، ماہِ صفر میں نحوست ہونے کا عقیدہ اور ایک مخصوص پرندے کی بدشگونی کا عقیدہ سب بے حقیقت باتیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ اسلام میں اس قسم کے فاسد و باطل خیالات ونظریات کی کوئی گنجائش نہیں ہے، ایسے نظریات وعقائد کو سرکارِ دوعالم اپنے پاؤں تلے روند چکے ہیں۔

لیکن افسوس یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صاف اور واضح ارشاد کے باوجود آج بھی بہت سے ایسے بدعقیدہ اور غلط فکر کے خاندان وافراد پائے جاتے ہیں۔ اس ماہ کی نحوست والا عقیدہ پھیلانے کی خاطر گمراہ لوگ ایک موضوع اور من گھڑت حدیث کا سہارا لیتے ہیں، وہ حدیث یہ ہے: ”مَنْ بَشَّرَنِیْ بِخُرُوْجِ صَفَرَ، بَشَّرْتُهٗ بِالْجَنَّةِ“۔ ترجمہ: ”جو شخص مجھے صفر کے مہینے کے ختم ہونے کی خوشخبری دے گا، میں اُسے جنت کی بشارت دوں گا“۔

حالاں کہ یہ حدیث صحیح ومعتبر نہیں ہے، بلکہ موضوع اور لوگوں کی گھڑی ہوئی ہے۔ اس کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں ہے، ائمہ حدیث نے اس من گھڑت حدیث کے موضوع ہونے کو واضح کیا ہے: ملا علی القاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”مَنْ بَشَّرَنِیْ بِخُرُوْجِ صَفَرَ، بَشَّرْتُهٗ بِالْجَنَّةِ“ لا أصل له“۔ (الأسرار المرفوعة فی الأخبار الموضوعة، رقم الحدیث: ۲، ۳۲۴/۴۳۷)

اس لیے اس ماہ کو منحوس سمجھنا، غلط اور گمراہی ہے، اس سے بچنا چاہئے۔ یاد رہے اسلام میں نہ تو کوئی مہینہ منحوس ونامبارک ہے اور نہ کوئی دن وتاریخ۔ کسی دن وتاریخ کو یا کسی مہینہ کو بُرا سمجھنا غیر اسلامی نظریہ ہے۔ اللہ تعالی بُرے عقیدوں اور نظریوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔

موجودہ حالات میں
مسلمانوں کے لئے لائحۂ عمل

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ہندوستان کے مسلمان اس وقت جن حالات سے گزر رہے ہیں، وہ نہ مکمل طور پر مکی زندگی جیسے ہیں، جس میں مسلمانوں پر کھلے عام زیادتی کی جاتی تھی، اور اسلام کو بحیثیت مذہب تسلیم نہیں کیا گیا تھا، پورا معاشرہ شرک کے رنگ میں رنگا ہوا تھا اور کوئی صدائے توحید لوگوں کو گوارا نہیں تھی، مسلمانوں کو اپنے گھروں میں چھپ کر نماز ادا کرنی پڑتی تھی، اور گھر کے اندر بھی وہ بلند آواز میں علی الاعلان قرآن مجید کے تعلیم وتعلیم کا فریضہ ادا نہیں کر سکتے تھے، جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول اسلام کے واقعہ سے ظاہر ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں کے موجودہ حالات سیرت نبوی کی مدنی زندگی کے بھی پوری طرح مطابق نہیں ہیں، مدینہ میں مسلمانوں کو غلبہ حاصل تھا، وہ سارے فیصلے اپنی مرضی سے کیا کرتے تھے، دوسری مذہبی اقلیتوں خاص کر یہودیوں کو ضرور اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی حاصل تھی، ان کی تعلیم گاہیں بھی تھیں، زبردست قلعے تھے، معاشی اعتبار سے ان کو برتری بھی حاصل تھی؛ لیکن مدینہ کے اقتدار میں غلبہ مسلمانوں کا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت نہ صرف مسلمانوں کے نبی اور مرکز اطاعت کی تھی؛ بلکہ دوسری قومیں بھی خوشی یا ناخوشی کے ساتھ آپ کی قیادت کو تسلیم کرتی تھیں، مسلمانوں کو ظاہر ہے کہ ہندوستان میں یہ موقف حاصل نہیں ہے، اقتدار کی باگ ڈور اُن کے ہاتھ میں نہیں ہے اور ملک کے اہم فیصلوں میں اُن کی مرضی اور خواہش کو اہمیت نہیں دی جاتی، یہ صورت حال یوں تو آزادی کے بعد ہی سے شروع ہوگئی تھی؛ لیکن ۲۰۱۴ء سے اس میں بہت اضافہ ہوگیا؛ البتہ ملک کے دستور کے تحت مسلمانوں کو اب بھی اپنی جان ومال، مذہب اور تہذیب کے معاملہ میں آزادی حاصل ہے۔

ان حالات کے لئے قرآن مجید سے جو رہنمائی ملتی ہے، وہ بنیادی طور پر دو باتیں ہیں، ایک یہ کہ مذہب کے معاملہ میں دوسروں کی مذہبی آزادی کو بھی قبول کیا جائے، ہم اپنے دین پر چلیں اور دوسرے لوگ اگر اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزاریں تو اس کو گوارا کریں: ''**لکم دینکم ولی دین**'' (الکافرون:۶) دوسرے: جہاں تک اور جس قدر ممکن ہو، ہم اپنے دین پر عمل کرنے کا اہتمام کریں، قانون اور انتظام کے جو شعبے حکومت کے ہاتھ میں ہیں اور اس میں اسلامی نقطۂ نظر سے ہٹ کر پالیسی اختیار کی گئی ہے، ان میں تو ہم مجبور ہیں؛ لیکن جن امور میں ہمارے لئے اپنی شریعت پر قائم رہنا ممکن ہے، ان میں ہم دین وشریعت پر قائم رہیں؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''**اذا أمرکم بأمر فأتوا منه ما استطعتم**'' (صحیح البخاری عن ابی ہریرۃؓ

،حدیث نمبر:۲۸۸۷)یعنی اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت ضروری ہے؛لیکن یہ ہماری طاقت کے بقدر ہے۔

جیسے ایک غریب آدمی کے لئے زکوٰۃ دینے کا حکم نہیں ہے،اور جیسے ایک بوڑھے اور کمزور شخص پر بعض عبادتوں کا حکم نہیں ہے،اسی طرح کسی بھی شعبۂ زندگی میں مسلمان شخصی یا اجتماعی طور پر اگر کسی خاص حکم کی تعمیل سے معذور ہوں تو ان کو کوشش تو کرنی چاہئے کہ یہ معذوری ختم ہوجائے؛لیکن جب تک یہ معذوری ختم نہ ہو،اس وقت تک دل کی ناگواری کے ساتھ اس پر عمل کرنا چاہئے،اور ٹکراؤ سے بچنا چاہئے،مثلاً اگر کسی ریاست میں ریلوے اسٹیشن،ائیر پورٹ پر یا سڑک کنارے نماز ادا کرنے سے روک دیا جائے یا ایک خاص حد سے زیادہ آواز میں اذان دینے سے منع کیا جائے تو ہمیں پُرامن طریقہ پر کوشش کرنی چاہئے کہ حکومت اپنے اس ظالمانہ حکم کو واپس لے لے؛لیکن جب تک ایسا نہیں ہو قانون کی رعایت کرنی چاہئے،جب ہم مجبوری کے تحت اس کو قبول کریں گے تو ان شاء اللہ اللہ کے یہاں پکڑ نہیں ہوگی،اور اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ دین حق کے دشمنوں کو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور مسلم مخالف جذبات کو مشتعل کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔

صورت حال اُس وقت بہت نازک ہوجاتی ہے جب حق سے عناد رکھنے والے لوگ نفرت کا ماحول پیدا کرتے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتے ہیں کہ ان حالات میں مسلمان کیا کریں؟ایک صورت تو یہ ہے کہ ہم ترکی بہ ترکی جواب دیں،یا اینٹ کا جواب پتھر سے دیں،اگر کوئی ہمارے باپ دادا کو برا بھلا کہے تو ہم اس کی سات پشتوں کو برا بھلا کہیں،اس سے جذبات کی تسکین ہوتی ہے اور عام لوگوں کو یہ طریقہ بہت بھلا محسوس ہوتا ہے،اگر کوئی مقرر جوش وخروش کے ساتھ اس بات کو پیش کرے تو اس کو خوب داد بھی ملتی ہے اور واہ واہی بھی ہوتی ہے،ہمارے ملک میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں،اگر اس طرح کی بات سیاسی لوگ کہیں تو اس کا اثر عارضی ہوتا ہے؛کیوں کہ یہ بات مان لی گئی ہے کہ سیاست میں جھوٹ،دھوکہ،بداخلاقی اور بددیانتی سب کی گنجائش ہے؛لیکن اگر مذہبی طبقہ کی طرف سے ایسی بات کہی جائے تو اس کا بہت برا اثر ہوتا ہے،اس سے منفی جذبات پروان چڑھتے ہیں۔

اس وقت جو اسلام دشمن طاقتیں ہمارے ملک میں سرگرم عمل ہیں،وہ چاہتی ہیں کہ ایسا ہی ہو،اس سے ان کا مقصد حاصل ہوگا،ان کا بنیادی مقصد ہے کہ اکثریت کو مسلمانوں کے خلاف مشتعل کریں اور یہ بات معلوم ہے کہ اکثریت ہو یا اقلیت،عوام کی اکثریت ناپختہ ذہن ہوتی ہے،وہ کسی دعویٰ کو ماننے کے لئے ثبوت یا تحقیق کی ضرورت محسوس نہیں کرتی؛اس لئے اگر دوسرے فریق کی طرف سے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے تو فوراً نفرت کی چنگاری آتش فشاں میں تبدیل ہو جاتی ہے،ان حالات کا سامنا کرنے کے لئے قرآن مجید نے جو تعلیم دی ہے،وہ یہ ہے:’’**یایھا الذین آمنوا استعینوا بالصبر و الصلاۃ ان اللہ مع الصابرین**‘‘(البقرہ:۱۵۳)رجمہ:اے ایمان والو!صبر اور صلاۃ کے ذریعہ اللہ سے مدد چاہو،بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

صبر بہت ہی اہم عمل ہے،امام احمدؒ سے منقول ہے کہ قرآن مجید میں نوے مقامات پر صبر کا ذکر فرمایا گیا ہے اور اس

کے واجب ہونے پر امت کا اجماع ہے: ''قال الامام أحمد رحمہ اللہ: الصبر في تسعين موضعا من القرآن وھو واجب باتفاق الأمة'' (تفسیر ابن قیم: ۱۰۴) اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا کہ اگر صبر سے کام لوگے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا: ''وأن تصبروا خير لكم'' (النساء: ۲۵) اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ صبر سے زیادہ بہتر انسان کو کوئی چیز نہیں دی گئی: ''ما أعطي أحد عطاء خيرا وأوسع من الصبر'' (صحیح البخاری، عن ابی سعید الخدری ؓ، حدیث نمبر: ۱۴۶۹)

صبر کے معنیٰ ہیں اللہ کی رضا کے لئے اپنی طبیعت اور جذبات کے خلاف باتوں کو برداشت کرنا: ''أما الصبر فهو قهر النفس على احتمال المكاره في ذات الله تعالىٰ'' (تفسیر رازی، سورہ بقرہ، آیت نمبر: ۱۵۳) اللہ تعالیٰ نے صرف صبر ہی کا حکم نہیں دیا ہے؛ بلکہ صبر جمیل کا حکم بھی دیا ہے (معارج: ۵) صبر جمیل کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر حالات کو قبول بھی کرے اور اس میں کوئی مایوسی، گھبراہٹ، اللہ سے شکایت اور جلد بازی پیدا نہ ہو۔

لیکن صبر کے معنی یہ بھی نہیں ہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں؛ بلکہ اس میں کم از کم تین باتیں شامل ہیں، اول جدوجہد اور تدبیر، دوسرے: حکمت و مصلحت کا لحاظ، تیسرے: اللہ تعالیٰ سے رجوع، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کو جب صبر کا حکم دیا گیا تو ایسا نہیں ہوا کہ مسلمان دعوت کا جو کام کر رہے تھے، انھوں نے اس کو روک دیا ہو، دین کی اشاعت اور حفاظت کی تدبیروں سے دست کش ہو گئے ہوں؛ بلکہ ان کوششوں میں اور قوت کے ساتھ لگے رہے اور اس جذبہ کے ساتھ اپنا کام کرتے رہے کہ جیسے کچھ حالات پیش آئیں، ہم ان کا سامنا کریں گے، اور ہم اپنے موقف اور مہم پر ثابت قدم رہیں گے۔

مکی زندگی میں صحابہ ؓ نے بار بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت چاہی کہ چوں کہ وہ مشرکین مکہ سے تنگ آچکے ہیں؛ اس لئے ان کو ان کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کی اجازت دے دی جائے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اجازت نہیں دی؛ مگر ایک دن بھی اسلام کی دعوت و اشاعت کے کام سے باز رہنے کو گوارا نہیں فرمایا، مدنی زندگی میں منافقین کی ایک اچھی خاصی تعداد اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئی تھی، اور مسلمانوں کو ہر طرح کا نقصان پہنچانے کے درپے رہتی تھی؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سے منافقین سے واقف ہونے کے باوجود خاموشی اختیار کی اور اس وقت تک انتظار کیا، جب تک ان کا نفاق پوری طرح لوگوں پر واضح نہ ہو گیا، اور ان کو اپنے خاندان اور لوگوں میں منھ چھپانے کی جگہ بھی باقی نہیں رہی، منافقین کی شرانگیزیوں کی وجہ سے دین کی تعلیم و دعوت اور مسلم ملکوں کی سرحدوں کی حفاظت کی طرف سے ایک پل بھی غفلت نہیں کی گئی۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے جدوجہد کے بہت سے میدان ہیں، قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے اسلام کی دعوت، برادران وطن میں اسلام کا تعارف، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پیدا کی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کرنا، مسلمانوں کو سچا اور پکا مسلمان بنانا، رضا کارانہ طور پر سو فیصد شریعت پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا کرنا، تعلیم اور ٹیکنالوجی کے مختلف میدانوں کی طرف مسلمان تعلیم یافتہ نوجوانوں اور ہنرمندوں کو لانا، خدمت خلق کی نسبت سے ملک میں اپنی ایک پہچان پیدا کرنا، جیسا کہ عیسائی حضرات کے یہاں ہے، مسجدوں اور مدرسوں کو عام فاقہ کش لوگوں کی کفالت کا مرکز بنانا، جیسا

کہ گرودواروں میں لنگر کا انتظام کیا جاتا ہے، برادران وطن سے تعلقات کو بہتر بنانے کی کوشش اور اس کے لئے خود اپنی طرف سے قدم آگے بڑھانا، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے مشرکین اور مدینہ کے یہود کے ساتھ کیا تھا، عام انسانی مسائل میں آگے بڑھ کر برادران وطن کے ساتھ کھڑا ہونا، جیسے: شجر کاری، صفائی ستھرائی، ٹریفک قانون کی پابندی، ماحول کو صوتی، آبی اور فضائی آلودگی سے بچانے کی کوشش کرنا، خواتین کے ساتھ ظلم وزیادتی کو روکنے کی مہم چلانا، بوڑھوں اور یتیموں کے حقوق کی طرف توجہ دلانا، کرپشن کو روکنا، اور سماج میں پیدا ہونے والے اختلاف کو باہمی مصالحت کے ذریعہ طے کرانا، اور اس طرح کے دوسرے کام، جن کی ضرورت مسلمانوں کو بھی ہے اور برادران وطن کو بھی، ان میں نہ صرف حصہ لینا؛ بلکہ قائدانہ کردار ادا کرنے کی کوشش کرنا، اور یہ کام آسان ہے، اگر سیاسی قیادت میں آپ آگے بڑھنا چاہیں گے تو مزاحمت ہوگی؛ لیکن اگر خدمت خلق کے میدان میں آگے بڑھیں گے تو اس میں مزاحمت نہیں ہوگی؛ بلکہ لوگوں کا تعاون حاصل ہوگا؛ اس لئے ہمیں ان کاموں کو اپنی ترجیحات میں شامل کرنا چاہئے۔

دوسری چیز ہے: حکمت عملی کا لحاظ، حکمت عملی کا دائرہ بہت وسیع ہے؛ لیکن اس کی ایک صورت وہ ہے، جس کو قرآن مجید نے اعراض سے تعبیر کیا ہے: ''أعرض عن المشرکین'' (الحجر: ۹۴) لوگ مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے، ان پر بے جا تنقید کرتے تھے، ان کے بارے میں نازیبا باتیں پھیلاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: آپ مشرکین سے اعراض برتئے اور یاد رکھئے کہ جو لوگ اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں ہم خود آپ کے لئے ان کے مقابلہ میں کافی ہوجائیں گے۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ اعراض اور پہلو تہی اختیار کرنا بزدلی کی بات ہے؛ لیکن درحقیقت یہ ایک زبردست حکمت عملی ہے، جو مخالفین کے وار کو ناکام کرتی ہے، اگر کسی نے اسلام کے بارے میں بدگوئی کی اور ہم اس کے مذہب کے بارے میں اسی لہجہ کو اپنائیں، اگر کسی نے مسلمانوں کو برا بھلا کہا اور اس کے جواب میں ہم ان کو اسی طرح برا بھلا کہیں تو اس سے عمل اور ردعمل کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، اور عام لوگوں کو اُکسانے اور بھڑکانے کا موقع ملتا ہے، اور اگر بوقت ضرورت سنجیدگی کے ساتھ جواب دیں، یا مصلحت کے تقاضے کے تحت بالکل خاموش ہوجائیں تو اب آپ کے مخالفین کے لئے مزید بھڑکاؤ گفتگو کرنے کا موقع باقی نہیں رہتا۔ اس کی ایک مثال ۲۰۲۴ء کا الیکشن ہے، اس موقع پر ملک کے سب سے اعلیٰ عہدیدار نے اسٹیج سے ایسی جھوٹی باتیں کہیں کہ ان کا جھوٹ ملک اور ملک سے باہر مشہور ہوگیا، یہاں تک کہ ان کی سرپرست تنظیم نے بھی اس پر نوٹس لیا، انھوں نے بار بار مسلمانوں کا نام لے کر اکثریت کو اُکسانے کی کوشش کی، ان کے طرز عمل سے ملک کے تمام سنجیدہ لوگوں نے یہ تأثر لیا کہ ان کے پاس کوئی ایسا کام نہیں ہے، جسے وہ پیش کرسکیں، اس حقیقت نے خود ان کی پوزیشن کو کمزور کردیا، اور اکثریتی فرقہ کے انصاف پسند اور محب وطن شہریوں نے ان کے خلاف آواز بلند کی، اور اس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے سنہرے خواب چکنا چور ہوگئے۔

مسلمانوں نے ردعمل کے بجائے تعمیر کی سمت میں محنت کی، اس سال پبلک سرویس امتحان میں پچاس سے زیادہ مسلمانوں نے کامیابی حاصل کی، نیٹ کے امتحان میں بڑی تعداد میں مسلم طلبہ اور طالبات نے کامیابی کے جھنڈے

گاڑے، اور بعضوں نے ٹاپ ٹین میں اپنی جگہ بنائی، چندریان مہم میں چار چار مسلمان سائنس دانوں نے حصہ لیا؛ اگرچہ ان کے نام پر میڈیا نے زیادہ توجہ نہیں دی، مختلف شہروں میں مسلمانوں نے تجارت اور چھوٹی موٹی صنعتوں میں اپنی حصہ داری کو بڑھایا، پچھلے دس سالوں میں انھوں نے عصری تعلیم کے ادارے کثرت سے قائم کئے، کبھی مسلمان ڈاکٹروں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاتی تھی؛ لیکن اب صرف حیدرآباد اور بنگلور میں کم وبیش ایک ہزار مسلمان لڑکے اور لڑکیاں میڈیکل تعلیم حاصل کررہے ہیں، انفارمیشن ٹیکنالوجی کے میدان میں مسلم نوجوانوں کا قدم آگے بڑھ رہا ہے، انھوں نے ٹکرانے میں اپنی قوت خرچ کرنے کے بجائے تعمیر کی طرف اس کا رُخ کردیا، اور دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے بجائے مختلف میدانوں میں اپنے پاؤں پر چلنے کی کامیاب کوششوں کا آغاز کردیا ہے۔

دینی مدارس پر الزام تھا کہ وہ دنیا سے بے خبر اور عصری علوم سے نا آشنا ہوتے ہیں؛ لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ مدارس سے نکلنے والی نئی نسل نہ صرف ضروری عصری تعلیم سے آراستہ ہے؛ بلکہ وہ آئی اے ایس اور آئی پی ایس بن رہے ہیں، آئی ٹی فیلڈ میں اپنا جوہر دکھا رہے ہیں، قانون کے میدان میں پوری خود اعتمادی کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں، اور مختلف پیشہ وارانہ میدانوں میں اپنی صلاحیت کا لوہا منوا رہے ہیں، یہی حکمت عملی ہے کہ ردعمل، جواب اور جواب الجواب پر اپنی قوت خرچ کرنے کی بجائے اپنی تعمیر پر محنت کی جائے، اگر مسلمان اسی طرح تسلسل کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھیں تو ان شاء اللہ بہت جلد ہماری قوم ملک میں سرخروئی اور سرفرازی کے مقام پر فائز ہوگی اور ان شاء اللہ لوگوں کے لئے سرمایۂ رشک بنے گی۔

تیسری چیز جو ان حالات میں ضروری ہے اور صرف ان ہی حالات میں نہیں؛ بلکہ ہمیشہ ضروری ہے اور یہ ہمارے ایمان کا حصہ ہے، وہ ہے رجوع الی اللہ جس کو سورۂ بقرہ (۱۵۳) میں صلوٰۃ سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی اللہ سے رجوع کرنا، اپنے مالک کے سامنے ہاتھ پھیلانا اور اپنی مظلومیت کو ان کے سامنے پیش کرنا؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ مظلوم کی دعاء کو قبول کرتے ہیں، چاہے وہ فاسق وفاجر ہی کیوں نہ ہو: ''**دعوۃ المظلوم مستجابۃ و ان کان فاجرا**'' (مسند احمد عن ابی ہریرہؓ، حدیث نمبر: ۸۷۹۵) اللہ سے رجوع کا فائدہ یہ ہے کہ انسان مایوسی اور ناامیدی سے محفوظ رہتا ہے؛ کیوں کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ ہم نے اپنا معاملہ اللہ کے حوالہ کردیا ہے، اور اللہ کی قدرت میں سب کچھ ہے، آج کل بہت سے لوگ مایوسی اور نا اُمیدی کی باتیں کرتے ہیں؛ یہاں تک کہ بعض اوقات کہتے ہیں کہ کیا ہماری نسلیں اس ملک میں رہ سکتی ہیں؟ یہ بہت ہی بزدلانہ خیال ہے، ہمیں اللہ پر یقین رکھنا چاہئے اور اس بات پر اعتماد کرنا چاہئے کہ کوئی طاقت ہمیں شکست نہیں دے سکتی؛ کیوں کہ ہماری اصل طاقت ہمارا ایمان ہے، ہمارا اصل اثاثہ اللہ کی مدد ہے اور ہمارے ہاتھوں میں اس نبی کا دامن ہے، جس کی نبوت قیامت تک کے لئے ہے؛ اس لئے کوئی طاقت ہمیں شکست نہیں دے سکتی، ہم نے اس ملک کی تعمیر وترقی میں دیگر ابناء وطن سے بڑھ کو حصہ لیا ہے؛ اس لئے ہم اس کو چھوڑ نہیں سکتے۔

مفہومِ قرآن اور مصنوعی ذہانت

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا پاک کلام ہے، جو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے انسان و جنات کی رہنمائی کے لیے آخری نبی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعہ نازل فرمایا۔ قرآن پاک کا مفہوم وہی معتبر اور صحیح ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے سمجھا ہو۔ قرآن پاک کی تفسیر کا کام نہایت احتیاط کا متقاضی ہے اور ہر کس و ناکس کا یہ کام نہیں کہ وہ محض قرآنی تراجم پڑھ کر عقلی طور پر قرآن پاک کی تفسیر و تشریح کرنے بیٹھ جائے۔ اگر کوئی شخص محض اپنی عقل کے بل بوتے پر قرآن کا مفہوم سمجھے اور پھر اس کو منشاء الٰہی قرار دے تو اس کو قرآن دشمنی پر محمول کیا جائے گا۔ نیز اگر کوئی چاہے کہ لغت کی کوئی کتاب لے کر بیٹھ جائے، اور اس میں الفاظ کے معنی دیکھ دیکھ کر قرآن کا مفہوم سمجھنا شروع کرے تو قیامت تک قرآن کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکتا۔

آج کل مصنوعی ذہانت کا بہت چرچا ہے اور یہ بات عوام میں پھیلائی گئی ہے کہ مصنوعی ذہانت کے سسٹم انسانی ذہانت سے کہیں آگے نکل چکے ہیں۔ مصنوعی ذہانت کے عنوان سے دین اور دینی علوم کی اساس کو نشانہ بنانے کی کوششیں اپنے عروج پر ہیں۔ باطل قوتوں کی یہ کوشش اور سوچ ہے کہ مصنوعی ذہانت یعنی آرٹیفیشل انٹیلی جنس کا استعمال کرتے ہوئے قرآنِ پاک کی جدید تفسیر و ترجمہ کیا جائے، اس کے لیے براہِ راست اگر یہود و نصاریٰ کو استعمال کیا جائے گا تو مسلمانوں میں اس تفسیر و ترجمہ قرآن کو مقبولیتِ عامہ نہ مل سکے گی، البتہ اگر یہی تفسیر و ترجمہ کسی مسلمان، بالخصوص برِصغیر پاک و ہند سے تعلق رکھنے والے کسی مسلمان نے کیا ہو تو اس تفسیر و ترجمۂ قرآن کو برِصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں میں قبولیت ملنے کے زیادہ امکانات ہیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم مسلمانوں ہی میں سے کچھ صاحبانِ علم، باطل قوتوں اور مستشرقین کے غیر دانستہ طور پر آلہ کار بن رہے ہیں اور مصنوعی ذہانت کو استعمال کرتے ہوئے قرآن پاک کی تفسیر و ترجمہ پر کام کر رہے ہیں اور ایسے سوالات اُٹھا رہے ہیں جو کہ بالکل نئی طرز کے ہیں۔ گو کہ ایسے حضرات بڑے اخلاص سے ان باتوں کی ترغیب دیتے ہیں کہ ہم تو مصنوعی ذہانت کی ٹیکنالوجی کو قرآن فہمی کے لیے استعمال کر رہے ہیں اور مصنوعی ذہانت کو علومِ قرآن میں استعمال کر کے کئی فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں، مثلاً: اس سے مدارسِ دینیہ کے طلبائے کرام میں علمِ تفسیر میں علمی رسوخ، استعداد اور صلاحیت بڑھے گی، مگر حقیقتِ حال یہ ہے کہ چونکہ ایسے لوگوں کو سائنسی علوم میں رسوخ نہیں، مصنوعی ذہانت کی تکنیکی باریکیوں و خامیوں کا علم نہیں، غالباً اسی وجہ سے وہ نادانستہ طور پر مصنوعی ذہانت کو قرآن فہمی میں استعمال کرنے کو فروغ دے رہے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ملکی و عالمی سطح پر ایسی کوششیں جاری ہیں کہ کس طریقے سے مصنوعی ذہانت کو علومِ قرآنی میں استعمال کیا جائے۔

اس مضمون میں ہم مفہومِ قرآن اور مصنوعی ذہانت سے متعلق کچھ سوالات کے جوابات دینے کی کوشش کریں گے۔ اول: مصنوعی ذہانت کے علومِ قرآنی میں استعمال سے کیا مراد ہے؟ دوم: مصنوعی ذہانت میں کتنی ذہانت ہے؟ سوم: کیا مصنوعی ذہانت سے قرآن کا صحیح مفہوم سمجھا جاسکتا ہے؟ چہارم: کیا مصنوعی ذہانت سے قرآنِ پاک کا ترجمہ وتفسیر کی جاسکتی ہے اور کیا ایسا ترجمہ وتفسیر مسلمانوں کے نزدیک معتبر ٹھہرے گا؟

مصنوعی ذہانت کے علومِ قرآنی میں استعمال سے مراد

قارئین کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ کمپیوٹر تو سہولت لے کر آیا ہے اور کمپیوٹر کے استعمال سے تو علوم القرآن کی خدمت کی گئی ہے، مثلاً قرآن پاک کی طباعت کے اندر کمپیوٹر کے استعمال سے کس قدر امُت کو فائدہ حاصل ہوا ہے۔ کمپیوٹر کے استعمال سے کسی خاص آیت، مضمون، یا حرف کو قرآن پاک میں ڈھونڈنا کتنا آسان ہوگیا ہے۔ لیپ ٹاپ یا موبائل فون پر قرآن پاک کی کوئی ایپلی کیشن کھولیے، کسی بھی آیت تک سیکنڈوں سے بھی کم وقت میں پہنچ جایئے، اُس آیت کا شانِ نزول اور تفسیر مع حوالہ جات دیکھے جاسکتے ہیں۔ کمپیوٹر کی مدد سے مختلف قراءات میں قرآن کی تلاوت سنی جاسکتی ہے۔

مصنوعی ذہانت میں ہونے والی ترقی کو مختلف طریقوں سے علوم القرآن میں استعمال کیا جارہا ہے، مثلاً مختلف قاری حضرات کی تلاوت آڈیو میں موجود ہو تو مصنوعی ذہانت کے ذریعے پتہ چلایا جاسکتا ہے کہ کون سی قراءۃ کس قاری نے کس لہجے میں کی ہے۔ آج کل تو مصنوعی ذہانت کے ایسے سافٹ وئیر دستیاب ہیں جس میں اگر کوئی شخص قرآن پاک کی تلاوت کرے تو کمپیوٹر یا موبائل اسکرین پر وہ سافٹ وئیر تلاوت کی گئی قرآنی آیات لکھنا شروع کردے گا، جیسے جیسے وہ شخص تلاوت کرتا جائے گا، کمپیوٹر اسکرین پر وہ قرآنی آیت لکھتی چلی جائے گی، اگر کہیں غلطی ہوگی تو اس کی نشاندہی کردے گی۔ اس طرح کے سافٹ وئیر بنانے والے یہ دعویٰ کررہے ہیں کہ اُن کی تیار کردہ ایپلی کیشن قرآن پاک حفظ کرنے والوں کو حفظِ قرآن میں مدد فراہم کرے گی۔ نیز مصنوعی ذہانت کو استعمال کرتے ہوئے اگر کوئی قاری کسی آیت کے پہلے حصے کی تلاوت کررہا ہے تو اگلہ جملہ یا لفظ کون سا آئے گا، یہ صلاحیت بھی آج کل سافٹ وئیر کے اندر موجود ہے۔ اس سے بڑھ کر مصنوعی ذہانت سے قرآن پاک سے متعلق مختلف آراء، تفاسیر اور تراجم، چند لمحوں میں ہمارے سامنے آجاتے ہیں، بلکہ یہ مصنوعی ذہانت کے سافٹ وئیر ان کا تجزیہ بھی پیش کردیتے ہیں۔

مصنوعی ذہانت سے متاثر ہوکر بعض لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ: ''مصنوعی ذہانت ہمیں قرآن کے ایسے پہلوؤں کو سمجھنے میں مدد کرسکتی ہے جو پہلے اوجھل تھے۔ اس سے ہر زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا جاسکتا ہے، جس سے دنیا بھر کے لوگ قرآن کو اپنی زبان میں سمجھ سکتے ہیں۔'' سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصنوعی ذہانت کے علومِ قرآنی میں استعمال سے ہماری کیا مراد ہے؟ کیا مصنوعی ذہانت کو علوم القرآن میں استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کیا جاسکتا ہے تو پھر مفتیانِ کرام اس کی حُدود وقیود کیا بتاتے ہیں؟ اگر نہیں کیا جاسکتا تو کیوں نہیں کیا جاسکتا؟ نیز بطور کمپیوٹر سائنسدان ہم کیوں یہ کہہ رہے ہیں کہ

مصنوعی ذہانت کے سافٹ وئیر کو دینی علوم بالخصوص قرآنِ پاک کی تفسیر وترجمہ کے لیے ہرگز ہرگز استعمال نہ کیا جائے؟

قارئین کو یہ واضح رہنا چاہیے کہ مصنوعی ذہانت کو علوم القرآن میں ہرگز استعمال نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ مصنوعی ذہانت کے سافٹ وئیر خود سے مواد بنا رہے ہوتے ہیں۔ ''خود سے مواد'' بنانے سے مراد یہ نہیں ہے کہ مصنوعی ذہانت کے سافٹ وئیر میں کوئی اشرف المخلوق انسانوں جیسی تخلیقی صلاحیت وذہانت آ گئی ہے، بلکہ مصنوعی ذہانت کے سسٹم، بالخصوص، لارج لینگویج ماڈلز، چونکہ ''اگلے ٹوکن کی پیشن گوئی'' کی بنیاد پر کام کرتے ہیں، یعنی اگلے جملوں کی پیشین گوئی کر رہے ہوتے ہیں، لہٰذا ان سافٹ وئیر کا کام کرنا قطعی طور پر بھی انسانوں کے سوچنے، سمجھنے اور انسانی ذہانت کے مقابل نہیں ہوسکتا۔ الغرض، سائنسدانوں اور مصنوعی ذہانت کے ماہرین کے مطابق مصنوعی ذہانت کے ان کمپیوٹر پروگرامز کو انسانی ذہانت کے برابر تسلیم کرنا سائنسی وتکنیکی طور پر درست نہیں۔

جب ہم مصنوعی ذہانت کے سافٹ وئیرز سے قرآن پاک کا ترجمہ وتفسیر یا خلاصہ وتجزیہ کروا رہے ہوتے ہیں تو دراصل مصنوعی ذہانت کے سافٹ وئیر یہ ترجمہ، تفسیر یا تجزیہ ''اگلے حُروف کی پیشین گوئی'' کی بنیاد پر کرتے ہیں اور اس ترجمہ، تفسیر، تجزیہ، خلاصہ وغیرہ سے عام انسان کو یہ تاثر ملتا ہے کہ یہ سافٹ وئیر خود سے کوئی بہت ہی زیادہ ذہانت والا مواد تخلیق کر رہے ہیں۔

دیکھیے! اگر کمپیوٹر میں ہم قرآن پاک کی کئی عربی تفاسیر مثلاً تفسیر کبیر، تفسیر روح المعانی، تفسیر ابن کثیر، تفسیر قرطبی، اور تفسیر ابی السعود اور پھر متاخرین علماء کی اردو تفاسیر مثلاً معارف القرآن، بیان القرآن، تفسیر عثمانی، اور آسان تفسیرِ قرآن از حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم مہیا کر دیں اور پھر کوئی کسی آیت کا کمپیوٹر سے ترجمہ پوچھے اور پھر کمپیوٹر مصنوعی ذہانت کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں اس آیت کی تفسیر اور ترجمے ان تمام پہلے سے کمپیوٹر کو مہیا کی گئی تفاسیر سے لاکر دکھا دے، تو علمائے کرام کے مطابق ایسا کرنا درست ہے اور اس طرح سے کمپیوٹر اور مصنوعی ذہانت سے علوم القرآن میں استفادہ کرنا درست ہے۔ اس کے برعکس اگر مصنوعی ذہانت کے پروگرامز کمپیوٹر میں مہیا کی گئی تمام تفاسیر، حتیٰ کہ پوری دنیا میں قرآن پاک کی جتنی تفاسیر آج تک لکھی گئیں ہیں، ان سب سے استفادہ کرے، اور پھر مصنوعی ذہانت خود سے ''آگے حُروف کی پیشین گوئی'' کی بنیاد پر اپنا تخلیق کردہ ترجمہ وتفسیر تیار کرے تو علمائے کرام کے مطابق ایسی کوئی بھی کوشش کسی بھی درجے میں قابلِ قبول نہیں۔ بس آج کل کے مصنوعی ذہانت کے پروگرامز وسافٹ وئیر مثلاً چیٹ جی پی ٹی وغیرہ کی یہی وہ صلاحیت اور طریقہ کار ہے، جس کی جانب ہم اپنے اس مضمون میں قارئین کو توجہ دلا رہے ہیں۔

مصنوعی ذہانت میں کتنی ذہانت ہے؟

کیا مصنوعی ذہانت انسانی ذہانت سے تجاوز کر جائے گی؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصنوعی ذہانت میں کتنی ذہانت ہے؟ اور کیا مصنوعی ذہانت کے سسٹم انسانی ذہانت سے

کہیں آگے نکل چکے ہیں یا نکلنے والے ہیں اور کیا مصنوعی ذہانت کے پروگرام (اور روبوٹس یا مشین) مستقبل میں اتنی ذہین ہوجائیں گی کہ انسانیت کو اس سے خطرہ لاحق ہوجائے گا؟ ان سوالات کا جواب ہم مصنوعی ذہانت کے ماہرین کمپیوٹر سائنسدانوں کی آراء کو سامنے رکھ کر سمجھتے ہیں۔

آج کل جو مصنوعی ذہانت کا چرچا ہمیں نظر آتا ہے، اس کی تکنیکی اساس اور بنیادیں رکھنے والے سائنسدانوں میں پروفیسر یان لی کن Professor Yann LeCun شامل ہیں۔ یہ پروفیسر ان کمپیوٹر سائنسدانوں میں شامل ہیں، جن کے سائنسی تحقیقی کاموں کی بدولت انہیں ''بابائے مصنوعی ذہانت'' بھی کہا جاتا ہے۔ انہیں کمپیوٹر سائنس کی دنیا کا سب سے بڑا ایوارڈ یعنی ٹیورنگ ایوارڈ Turing Award سن ۲۰۱۸ء میں دیا گیا۔ ٹیورنگ ایوارڈ کو کمپیوٹر سائنس کا نوبل پرائز بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کمپیوٹر سائنسدان دراصل ''نیورل نیٹ ورک'' مصنوعی ذہانت کا ایک شعبہ کے بانیوں میں شمار کیے جاتے ہیں، جس کی بنیاد پر بغیر ڈرائیور کے چلنے والی گاڑیاں Self-Driving Car اور چیٹ جی پی ٹی کام کرتے ہیں۔ پروفیسر یان لی کن فرانسیسی نژاد امریکی کمپیوٹر سائنسدان ہیں اور نیویارک یونیورسٹی امریکہ میں اپنی خدمات انجام دیتے آئے ہیں۔ یہ میٹا کمپنی (فیس بک کا نیا نام) میں چیف آے آئی سائنٹسٹ ہیں۔ اس کے ساتھ یہ اے سی ایم فیلو ACM Fellow بھی ہیں۔ نیچر جرنل، جو کہ دنیا کے بہترین سائنسی جرائد میں سے ایک سائنسی جریدہ ہے، میں ان کا ۲۰۱۵ میں چھپنے والا ''ڈیپ لرننگ'' کے موضوع پر سائنسی تحقیقی مقالہ مصنوعی ذہانت کے بنیادی مآخذ میں سے ایک ہے، جس کو سائنسی دنیا میں بہت زیادہ پذیرائی ملی۔

مشہور کاروباری شخصیت اور سرمایہ کار ایلون مسک، جو کہ ٹیسلا اور اسپیس ایکس کے بانی بھی ہیں، سے جب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ کچھ ہی عرصے میں لارج لینگویج ماڈلز جیسے چیٹ جی پی ٹی انسانی ذہانت کو پیچھے چھوڑ دے گی، جسے ''آرٹیفیشل جنرل انٹیلی جنس'' Artificial General Intelligence یعنی ''مصنوعی عمومی ذہانت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پھر اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ مصنوعی ذہانت اور روبوٹس اتنے ذہین ہوجائیں گے کہ ان کو کنٹرول کرنا انسان کے بس سے باہر ہوجائے گا، جبکہ اس کے برعکس پروفیسر یان لی کن کہتے ہیں:

Many of them are banking on the idea that today's large
are on the , like those from OpenAI,language model-based AIs
or",artificial general intelligence"near-term path to creating so-called
. that broadly exceeds human level intelligence,AGI
OpenAI's Sam Altman last month said we could have AGI
Elon Musk has said it could happen by ".a few thousand days"within
.2026

When a departing .LeCun says such talk is likely premature
OpenAI researcher in May talked up the need to learn how to control
It seems to me that before‘. LeCun pounced,ultra-intelligent AI
‘urgently figuring out how to control AI systems much smarter than
we need to have the beginning of a hint of a design for a system ’us
.he replied on X”,smarter than a house cat

’’مجھے ایسا لگتا ہے کہ فوری طور پر یہ معلوم کرنے سے پہلے کہ مصنوعی ذہانت کے پروگرامز جو کہ ہم انسانوں سے زیادہ ذہین ہوں کو کیسے کنٹرول کیا جائے، ہمیں ضرورت ہے کہ کوئی ایسا اشارہ ملے کہ کس طریقے سے ایسا مصنوعی ذہانت کا نظام بنایا جائے جس میں گھریلو بلی جتنی ذہانت ہو۔‘‘

پروفیسر یان لی کن کہتے ہیں گو کہ مصنوعی ذہانت کے کمپیوٹر پروگرامز (الگورتھم) بہت طاقتور ہیں، مگر وہ نہیں سمجھتے کہ مصنوعی ذہانت سے انسانیت کو کوئی خطرہ لاحق ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ موجودہ مصنوعی ذہانت کسی بھی معنوں میں ذہین نہیں ہے۔(۱) نہایت اہم بات یہ ہے کہ مصنوعی ذہانت کے کمپیوٹر پروگرامز (الگورتھم) بنانے والے ہی یہ کہتے ہیں کہ مصنوعی ذہانت کے اندر ایک عام سے جانور یعنی بلی جتنی بھی ذہانت نہیں ہے۔

LeCun also has publicly disagreed with Hinton and Bengio ‘‘
.over their repeated warnings that AI is a danger to humanity
in , he is convinced that today’s AIs aren’t,At the same time
. intelligent,any meaningful sense
have a mental , after all, Felines.He likes the cat metaphor
some reasoning , persistent memory,model of the physical world
None of these qualities . he says,ability and a capacity for planning
including those made by Meta , AIs”frontier‘‘are present in today’s
.itself
Today’s models are really just predicting the next word in a
And . But they’re so good at this that they fool us. he says,text
they can seem to be ,because of their enormous memory capacity

when in fact they're merely regurgitating information ,reasoning they've already been trained on."(۲)

''گھریلو پالتو بلی کے اندر جو صلاحیت، صفات، اور ذہانت پائی جاتی ہے، مثلاً کہ وہ اپنے دماغ میں حقیقی دنیا کا ایک ماڈل بناتی ہے، اس کی قائم رہنے والی یادداشت، اس کی استدلال کی صلاحیت، اور منصوبہ بندی کی استعداد، یہ سب چیزیں مروجہ مصنوعی ذہانت کے ماڈلز میں نہیں پائی جاتیں، حتی کہ ''میٹا'' کمپنی کے اپنے بنائے گئے ماڈلز میں بھی نہیں۔''

''آج کل کے مصنوعی ذہانت کے ماڈلز صرف متن کے اگلے حروف کی پیشین گوئی کرتے ہیں، لیکن وہ ایسا کرنے میں اتنے اچھے ہیں کہ وہ ہمیں بیوقوف بناتے ہیں، اور ان کی یادداشت کی بہت زیادہ صلاحیت کی وجہ سے، وہ استدلال کرتے دکھائی دے سکتے ہیں، جبکہ درحقیقت وہ معلومات کو محض اُگل رہے ہوتے ہیں (یعنی معلومات کو دُہرا رہے ہوتے ہیں، بغیر تجزیہ یا سمجھے ہوئے) جس پر وہ پہلے ہی تربیت پا چکے ہوتے ہیں۔''

مصنوعی ذہانت اور ذہانت کی آخری انتہا؟

مصنوعی ذہانت کے پروگرامز کی کتنی استعداد اور صلاحیت ہے؟ اور اس مصنوعی ذہانت کی آخری انتہا کیا ہو سکتی ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ اگر ہمارے پاس انگریزی کی ایک سب سے بڑی ڈکشنری (قاموس، لغت، فرہنگ) موجود ہے، جس میں انگریزی زبان کے تمام حروف والفاظ موجود ہوں تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ پوری دنیا میں آج تک جتنا بھی مواد انگریزی زبان میں لکھا اور بولا گیا، وہ اس ڈکشنری میں موجود لفظوں کے ہیر پھیر (یعنی ایک خاص ترتیب سے ان لفظوں اور حرفوں کو قواعدِ زبان یعنی گرامر کے حساب سے یکجا کرنا) سے ہی لکھا اور بولا گیا ہے؟ یقیناً اس میں کوئی شک نہیں کہ انگریزی زبان میں آج تک جتنے ناول، افسانے، اشعار، سفرنامے، مکتوبات، تدریسی کُتب، تحقیقی کُتب، سوانح، اور ڈرامے وغیرہ لکھے گئے ہیں، انہیں اس ڈکشنری میں موجود لفظوں کی مدد سے ہی تحریر کیا گیا ہے، مگر ہم یہ دیکھیں گے کہ اس انگریزی تحریر کا لکھنے والا مصنف کون ہے؟ اس کی تعلیمی قابلیت کیا ہے؟ اس کا علمی مقام کیا ہے؟ اس کا تجربہ کیا ہے؟ اور وہ اپنے لکھے ہوئے مضمون پر کتنا اختصاص رکھتا ہے؟ اس کی لکھی گئی تحریر کی قانونی حیثیت کیا ہے؟

اگر کوئی آسکر وائلڈ کی تحریروں کو یہ کہہ کر مسترد کر دے کہ اس کی تحریروں میں کیا کمال ہے؟ صرف انگریزی ڈکشنری کے لفظوں کے ہیر پھیر سے ہی تو آسکر وائلڈ نے اپنی تحریریں لکھیں ہیں، تو کیا کوئی عقلمند اس کو تسلیم کرے گا؟ اسی طریقے سے کوئی بخاری شریف کے بارے میں معاذ اللہ! یہ کہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ کا بخاری شریف لکھنے میں کیا کمال ہے؟ یہ تو صرف عربی قاموس کے لفظوں کا ہیر پھیر ہے۔ اس طریقے کی بات کہنا کفر تک لے جاتی ہے۔ اگر کوئی حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ کی ''صحیح مسلم'' پر شہرۂ آفاق شرح ''فتح الملهم'' کے بارے میں یہ کہے کہ یہ تو صرف عربی قاموس کے لفظوں کا ہیر پھیر ہے۔ اسی طریقے سے کوئی یہ کہے کہ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے جو ۱۹۷۶ میں

اس شرح کی تکمیل کا کام ''تکملۃ فتح الملہم'' کے نام سے شروع کیا اور اٹھارہ سال نو مہینے کے بعد ۳؍اگست ۱۹۹۴ء کو ''تکملۃ فتح الملہم'' کا کام چھ جلدوں کی صورت میں پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ (حوالہ: حضرت مفتی محمد تقی عثمانی، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، نوائے وقت، ۸ جنوری ۲۰۲۱) اس میں حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے کیا کمال کیا؟ یہی کام تو مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر بہت ہی قلیل عرصے میں انجام دے لیں گے، آپ صرف ان مصنوعی ذہانت کے کمپیوٹر پروگرامز کو حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ کی تحریر کا اسلوب بتا دیجئے، پھر دیکھئے ان سافٹ ویئر کا کمال، کیسے وہ اس شرح کی تکمیل کرتے ہیں۔ قارئین یاد رکھیں کہ ہم یہ فرضی باتیں نہیں کہہ رہے، بلکہ اسی دنیا میں ایسے صاحبِ علم حضرات موجود ہیں جو یہ باتیں کہتے ہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر وہ قرآن پاک کی تفسیر سے متعلق ایسی باتیں کہتے ہیں، معاذ اللہ۔

دیکھیے! قرآن پاک کے متعلق بھی تو کچھ لوگ یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی تو ڈکشنری کے لفظوں پر مشتمل ایک تحریر ہے، مگر حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ قرآن پاک کو دنیا کی تمام تحریروں پر فوقیت حاصل ہے، کیونکہ یہ ڈکشنری کے لفظوں کا ہیر پھیر نہیں، بلکہ یہ ''کلام اللہ'' ہے۔ قرآن پاک کے ہر ہر لفظ کی عظمت ہے، اسی لیے ''قرآنِ مجید مصحف میں دیکھ کر پڑھنا افضل ہے، اس لیے کہ مصحف کو دیکھنا، اس کو چھونا اور اس کو اُٹھانا، یہ اس کا احترام ہے، اور اس میں معانی میں زیادہ تدبر کا موقع ملتا ہے، نیز اس میں ادب بھی زیادہ ہے۔'' (حوالہ: دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن)

نیز ''قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا پاک کلام ہے، جو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے انسان و جنات کی رہنمائی کے لیے آخری نبی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعہ نازل فرمایا۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، مخلوق نہیں۔ قرآن کریم لوحِ محفوظ میں ہمیشہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جو فیصلے ملأ اعلیٰ یعنی آسمانوں کے اوپر تحریر ہیں، وہ کسی بھی تبدیلی سے محفوظ ہونے کے ساتھ شیاطین کے شر سے بھی محفوظ ہیں، اس لیے اس کو لوحِ محفوظ کہا جاتا ہے۔ اس کی شکل وصورت وحجم کیا ہے؟ ہم نہیں جانتے، مگر قرآن وحدیث کی روشنی میں ہم اس پر ایمان لائے ہیں۔'' (حوالہ: مفتی محمد نجیب قاسمی سنبھلی، قرآن کریم کا تعارف اور ہماری ذمہ داری، ماہنامہ بینات، اپریل-مئی ۲۰۲۰)

اسی طریقے سے احادیث مبارکہ کے متعلق بھی کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ صرف ڈکشنری کے لفظوں کے ہیر پھیر سے کلام بنایا گیا ہے، مگر یہ کہنا درست نہیں، کیونکہ عام محدثین کی اصطلاح میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہر چیز کو حدیث کہا جاتا ہے۔ (حوالہ: دارالافتاء دارالعلوم دیوبند)، جبکہ ایک عام آدمی حدیث سے یہ مراد لیتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کلام ہے۔ اسی طریقے سے فقہائے کرام کے اقوال پر بھی کوئی یہ غلط منطق لگا سکتا ہے۔ آج کل کے مروجہ عالمی قوانین کی مثال لے لیتے ہیں، کوئی یہ بھی تو کہہ سکتا ہے کہ امریکہ، برطانیہ، فرانس، اور پاکستان کے آئین بھی تو اسی ڈکشنری کے لفظوں کی مرہونِ منت ہیں، مگر ان ملکوں کے آئین کی قانونی حیثیت سب کو معلوم ہے۔ اسی طریقے سے سپریم کورٹ سے جاری ہونے والے فیصلے بھی تو اسی ڈکشنری کے لفظوں کی ہیر پھیر ہیں، مگر ان لفظوں کی اپنی افادیت، اثر اور قانونی حیثیت ہے۔

دیکھیے! اگر کسی جرم کی سزا میں سپریم کورٹ کا جج فیصلہ کرتا ہے اور مجرم کو عمر قید کی سزا ملتی ہے تو کیا کوئی اس سزا کو ٹال دے گا؟ اور کہے گا کہ یہ تو محض ڈکشنری کے لفظوں کا ہیر پھیر ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ اس سپریم کورٹ کے جج کی اس تحریر کی اپنی ایک قانونی حیثیت ہے اور اس تحریر کا ایک اثر پڑتا ہے اور ایک مجرم کو عمر قید کی سزا ملے گی۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ ہم مصنوعی ذہانت کے پروگرام مثلاً چیٹ جی پی ٹی سے اسی طریقے کا فیصلہ لکھوا لیتے ہیں جو کہ اس سپریم کورٹ کے جج کے فیصلے کے متن سے شاید زیادہ فصیح وبلیغ ہو، مگر کیا اس تحریر کی کوئی قانونی، اخلاقی، سیاسی، اور علمی وعملی حیثیت ہوگی؟ نہیں!

بس اسی طریقے سے کلام اللہ، احادیثِ مبارکہ، فقہائے کرام کے اقوال اور دیگر اہم تحریروں کو ہم چیٹ جی پی ٹی سے لکھوا کر اصل کلام اللہ، اصل احادیثِ مبارکہ، اور اصل فقہائے کرام کے اقوال کے مساوی ہرگز ہرگز قرار نہیں دے سکتے۔ جو لوگ مصنوعی ذہانت اور چیٹ جی پی ٹی سے حد درجہ تک متاثر ہیں تو کیا وہ لوگ خود اپنی عملی زندگی میں بھی اس کو ہر شعبے میں استعمال کرتے ہیں؟ کیا ایسے لوگوں نے ڈاکٹر و سرجن کے پاس جانا چھوڑ دیا؟ کیا اپنے قانونی معالات کے تَصْفِیَہ کے لیے کورٹ کچہریوں میں جانا چھوڑ دیا؟ کیا گھر میں پلمبر، الیکٹریشن، اور بڑھئی کو بلوانا چھوڑ دیا؟ کیا اپنے بچوں کو یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے سے روک دیا؟ یقیناً ایسے لوگ بھی اپنے سارے کام چیٹ جی پی ٹی سے نہیں کرواتے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ دینی علوم کو ہی اپنا تختۂ مشق بناتے نظر آتے ہیں؟

اس اُمت نے منکرینِ حدیث کا فتنہ بھی دیکھا ہے۔ انکارِ حدیث کا عبرتناک انجام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کچھ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''حدیث پر اعتماد نہ کرنے والوں کو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یا پوری امت میں سے ایک کو ناقابلِ اعتماد قرار دینا ہوگا، استغفر اللہ۔ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ زید کا کلام عمرو نقل کرے، سننے والے کو زید کے صدق کا یقین ہو اور عمرو پر اعتماد ہو کہ وہ نقل میں جھوٹا نہیں، لیکن اس کے باوجود کہے کہ یہ کلام جھوٹا ہے۔ بہرحال یہاں یہ سوال کسی خاص حدیث کا نہیں، بلکہ مطلق حدیث کا ہے۔ جب اس کا انکار کیا جائے گا اور اسے ناقابل اعتماد قرار دیا جائے گا تو اس صورت میں یا خود صاحب حدیث صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اعتماد اُٹھانا ہوگا یا پوری امت کو غلط کار اور دروغ گو کہنا ہوگا۔ انکارِ حدیث کی تیسری کوئی صورت نہیں، اور ان دونوں کا نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ اگر معاذ اللہ! خود صاحبِ حدیث صلی اللہ علیہ وسلم یا چودہ سو سالہ امت سے اعتماد اٹھا لیا جائے تو اس کے معنی اس کے سوا اور کیا ہیں کہ اسلام اور قرآن پر بھی ان کا اعتماد نہیں، اور دین وایمان کے ساتھ بھی ان کا کچھ واسطہ نہیں۔ ان احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بے اعتمادی کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں کو ایک لمحہ کے لیے بھی یہ خیال دل میں نہ لانا چاہیے کہ اس تمام تر سعی مذموم کے باوجود وہ اسلام اور قرآن کو بے اعتمادی کے جھگڑے سے محفوظ رکھ سکیں گے۔'' (حوالہ: حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، انکار حدیث کیوں؟ ماہنامہ دارالعلوم، شمارہ ۹-۱۰، جلد: ۹۴، رمضان، ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ مطابق ستمبر، اکتوبر ۲۰۱۰ء)

کلام اللہ شریف یا احادیث کی صحیح سمجھ صحابہ کرامؓ کو آئی، نیز آج کا انسان قرآن وحدیث کو صحابہ کرام سے زیادہ نہیں سمجھ سکتا، لہٰذا ہمیں ہر صورت صحابہ کرامؓ پر اعتماد کرنا پڑے گا، ورنہ ہم گمراہی کے دلدل میں پھنس جائیں گے۔ اگر کوئی یہ ترغیب دے کہ مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر کے اندر یہ صلاحیت ہے کہ وہ کسی حدیث کی تشریح کردے، اس کا سیاق و سباق بیان کردے، اس سے مسائل کی تخریج کرلے تو یہ بات بالکل غلط ہوگی، کیونکہ مشین کے اندر صحابہ کرامؓ سے زیادہ سمجھ نہیں ہوسکتی اور نہ ہی مصنوعی ذہانت کی مشینوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے۔ لہٰذا مفتیانِ کرام کے مطابق مصنوعی ذہانت کے پروگرامز کو علومِ وحی کے سمجھنے، سیکھنے سکھانے اور ترویج واشاعت کے لیے ہرگز ہرگز استعمال نہ کیا جائے، بلکہ جو ''خیر القرون'' میں طریقہ کار اختیار کیے گئے ہیں، یعنی ''سینہ بہ سینہ علوم کی منتقلی'' اور ''سند''، انہی پر انحصار اور انہی کے ذریعے دینی علوم کو اگلی نسل تک منتقل کرنا چاہیے۔

قرآن پاک کا ترجمہ وتفسیر کا کام انسانوں نے انجام دیا ہے۔ بڑے بڑے مفسرین نے قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر کی ہے، مگر وہ لوگ اللہ کے ولی تھے، دینی علوم میں مہارت رکھتے تھے، اور ان میں تقویٰ وللّٰہیت تھی۔ اس کے علاوہ جن لوگوں نے عقل لڑا کر قرآن کا ترجمہ وتفسیر کی، وہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ لہٰذا جن لوگوں نے صحابہ کرام کو چھوڑ کر اپنی رائے پر ترجمہ وتفسیر کیا، ان لوگوں میں للّٰہیت، اتباعِ سنت، تقویٰ اور سینہ بہ سینہ علوم کی منتقلی نہیں ہوئی تھی، اسی وجہ سے ان کے ترجمہ وتفسیر کو اُمت نے بحیثیتِ مجموعی تسلیم نہیں کیا۔ آج کے دور میں اگر کوئی مصنوعی ذہانت کے پروگرامز سے یہ توقع رکھتا ہے کہ ان سے ہم قرآن پاک کا ترجمہ، تفسیر، خلاصہ اور کسی آیت سے حکم نکال سکتے ہیں تو ایسا کرنا غیر مناسب ہوگا۔

قرآن پاک کا مفہوم وہی معتبر اور صحیح ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے سمجھا ہو۔ قرآن پاک کی تفسیر کا کام نہایت احتیاط کا متقاضی ہے اور ہر کس وناکس کا یہ کام نہیں کہ وہ محض قرآنی تراجم پڑھ کر عقلی طور پر قرآن پاک کی تفسیر وتشریح کرنے بیٹھ جائے۔ اگر کوئی شخص محض اپنی عقل کے بل بوتے پر قرآن کا مفہوم سمجھے اور پھر اس کو منشاء الٰہی قرار دے تو اس کو قرآن دشمنی پر محمول کیا جائے گا۔ مفہوم القرآن کی مزید وضاحت درج ذیل اقتباس سے ہوتی ہے:

''نہ یہ کہ بعض عقلیت زدہ متجددین کی طرح اپنی خالص ذہنی پرواز اور عقلی کاشت کو ادیبانہ وشاعرانہ رنگ آمیزیوں کے ذریعے بیان کرنے کا نام ''مفہوم القرآن'' رکھ دیا جائے، اس لیے کہ قرآن فہمی کے لیے اگر ایسی ہی کھلی چھٹی ہوتی اور ہر شخص کو اختیار ہوتا کہ وہ محض اپنی عقل کے بل بوتے پر قرآن کا مفہوم سمجھے اور جو مفہوم سمجھے بلا تکلف اس کو منشاء الٰہی قرار دے، اور فی الواقع وہ منشاء الٰہی نہ ہو تو سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو نازل فرمانے کے لیے ایک رسول کا واسطہ کیوں بنایا؟ کیا اللہ اس پر قادر نہ تھا کہ وہ اپنی کتاب کو یکا یک زمین پر اُتار دیتا؟ اور اس کا ایک نسخہ ہر فرد بشر کے پاس آپ سے آپ پہنچ جاتا؟ اگر وہ اس پر قدرت نہیں رکھتا تو عاجز تھا؟ پھر ایسی عاجز ہستی کو خدا ہی کیوں مانیے؟ اور اگر وہ قادر تھا اور یقیناً قادر تھا تو اس نے اپنی اس کتاب کی نشر واشاعت کا یہ ذریعہ کیوں نہ اختیار کیا؟ یہ تو بظاہر ہدایت کا یقینی ذریعہ ہوسکتا تھا،

کیونکہ ایسے صریح معجزے اور بین خوارقِ عادت کو دیکھ کر ہر شخص مان لیتا کہ یہ ہدایت خدا کی طرف سے آئی ہے، لیکن خدا نے ایسا نہ کیا، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے اپنی یہ کتاب بھیجی، ایسا کیوں کیا گیا؟ اس کا جواب خود قرآن دیتا ہے، وہ ہمیں بتاتا ہے کہ خدا نے جتنے رسول بھیجے ہیں، ان کی بعثت کا مقصد یہ رہا کہ وہ فرامین خداوندی کے مطابق حکم دیں، اور ان کے احکام کی اطاعت کریں، وہ الٰہی قوانین کے مطابق زندگی بسر کریں اور لوگ انہی کے نمونہ کو دیکھ کر اس کا اتباع کریں۔'' (حوالہ: خُلاصہ مضامینِ قرآنی، صفحہ: ۱۹، تالیف: مولانا سلیم الدین شمسی، جمع وترتیب واضافات: مولانا عمر انور بدخشانی، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی، جنوری ۲۰۲۴)

محض لغت کی بنیاد پر تفسیرِ قرآن

جب محض لغت کی بنیاد پر قرآن پاک کی تفسیر کی بات آئے گی تو بہت بڑی خامی وخرابی پیدا ہوگی اور وہ یہ ہے کہ فہم رسول اور ایک عام آدمی کی فہم کو ایک ہی سطح پر لا کھڑا کیا گیا ہے۔ پھر جب کوئی مصنوعی ذہانت کے ذریعے قرآن پاک کی تفسیر کرنے کی کوشش کرے گا تو مزید خرابی ہوگی، کیونکہ مصنوعی ذہانت میں فہمِ رسول کو ایک عام انسان سے بھی نیچے لے جا کر کمپیوٹر (مشین) کی فہم کے برابر لا کھڑا کیا گیا ہے۔ اور کمپیوٹر (مشین) کی یہ فہم انسان کی فہم سے زیادہ نہیں ہوسکتی، کیونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور انسان ہی نے مشین اور مصنوعی ذہانت کے الگورتھم (پروگرامز) بنائے ہیں۔ دیکھیے! جب مصنوعی ذہانت کے ذریعے کمپیوٹر کو پروگرام کیا جائے گا تو اس کے پاس کیا طریقہ کار ہوگا کہ وہ اس کے ذریعے قرآن پاک کی تفسیر بیان کرے؟ مصنوعی ذہانت کی بنیاد پر کی گئی ایسی تفسیر لغت کا حل تو ہوسکتی ہے (وہ بھی غلطیوں سے بھری ہوئی) مگر کلامِ الٰہی کی تشریح نہیں۔ مزید وضاحت درجِ ذیل اقتباس سے ہوتی ہے:

''کیونکہ اگر کوئی چاہے کہ لغت کی کوئی کتاب لے کر بیٹھ جائے، اور اس میں الفاظ کے معنی دیکھ دیکھ کر قرآن کا مفہوم سمجھنا شروع کرے تو قیامت تک قرآن کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکتا، کیونکہ دنیا کی ساری زبانوں کی طرح بلکہ ان سے کہیں زیادہ عربی زبان کے الفاظ اپنے معانی کے لحاظ سے سرمایہ دار ہیں، یعنی عربی کا ایک ایک لفظ اپنے اندر چار چار اور پانچ پانچ معنی رکھتا ہے، اس بنا پر ایسا کرنے والا اپنے ذوق ومزاج اور اپنی پسند ورجحان کے مطابق کوئی ایک معنی اخذ کرے گا، پھر کیا کوئی ایسا حتمی ذریعہ ہے کہ وہ یہ دعویٰ کر سکے کہ یہی معنی ومفہوم فی الواقع منشاء الٰہی ہے؟ یہ صرف رسول کر سکتا ہے جو مہبطِ وحی ہوتا ہے، اس لیے وہ اپنے قول وعمل سے قرآن کریم کا جو مفہوم بتائے گا، حقیقتاً اور بالیقین وہ منشاء ومراد الٰہی ہوگا، اس بنا پر اطاعتِ الٰہی کی واحد شکل اتباعِ رسول ٹھہری، رسول کی یہی وہ ذمہ داری تھی جس کا اعلان قرآن کریم نے اس طرح کیا ہے کہ: ترجمہ: ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان کیا جبکہ اس نے ان میں ایک رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔'' (حوالہ: سورۃ آل عمران، آیت: ۱۶۴)

پھر ایسا شخص جو حدیث وسنت کو نظر انداز کر کے قرآن فہمی کو ممکن بناتا ہے، وہ دراصل فہمِ رسول اور ایک عامی انسان

کی فہم کو ایک ہی سطح پر لا کھڑا کرتا ہے، اور اپنے اس طرزِ عمل سے گویا وہ خم ٹھونک کر آتا ہے، اور کہتا ہے کہ آپ بھی ایک آدمی اور میں بھی ایک آدمی، جس خالق نے آپ کو پیدا کیا، اسی خالق نے مجھے پیدا کیا، بشریت کے جو جذبات وداعیات اور جو قوتیں اور صلاحیتیں اور تفکر وتعقل کی جو قابلیتیں خدا نے آپ کو دیں، وہ مجھے بھی دیں، لہٰذا قرآنی آیات کی تشریح وتفسیر کا مجھے بھی اتنا ہی حق ہے جتنا آپ کو، بلکہ ایٹم اور اسٹپنگ کے اس دورِ ارتقا میں فہمِ رسول (نعوذ باللہ) پرانی ہو چکی ہے۔ اب تو۔۔۔۔۔ مے اور ہے، جام اور ہے جم اور۔

لیکن ایسے لوگ بھول جاتے ہیں کہ رسول کی فہم محض ایک بشر کی فہم نہ تھی، اور رسول کی تعلیم کتاب ''تاج العروس'' اور ''لسان العرب'' وغیرہ عربی لغت دیکھ دیکھ کر نہ تھی، بلکہ از روئے وحی تھی، بس اس فرق کے ساتھ کہ الفاظ کی وحی کا تعلق ''یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ'' کے ساتھ ہے، اور اس کی بعینہٖ تبلیغ پر رسول مامور تھے: ''بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ'' اور ان الفاظ کے معنی اور منشاء الٰہی کی تعلیم کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے الفاظ کا انتخاب فرما سکتے ہیں اور جہاں موقع وضرورت ہوتی قول کے ساتھ عمل کر کے بھی بتاتے تھے۔'' (حوالہ: خلاصہ مضامینِ قرآنی، صفحہ: ۲۱، تالیف: مولانا سلیم الدین شمسی)

کیا مصنوعی ذہانت کے حامل کمپیوٹر کی ذہانت ایک بشر کی ذہانت کے برابر ہو سکتی ہے؟ اور کیا کسی عام بشر کی فہم ایک رسول کی فہم کے برابر ہو سکتی ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں! قرآن فہمی وتفسیر کے لیے حدیث وسنت، صحابہ اور سلف کے اقوال ضروری ہیں۔

خلاصۂ مضمون

مصنوعی ذہانت اور خاص طور پر ایل ایل ایم (چیٹ جی پی ٹی وغیرہ) کے حوالے سے یہ بات پیش کی جا رہی ہے کہ ایل ایل ایم کے ذریعے پوری دنیا کے ڈیٹا (مواد) تک رسائی ہو گئی ہے اور اس سے وہ چیزیں وجود میں آ رہی ہیں کہ انسانی عقل دنگ ہے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ اگر پوری دنیا کی مخلوقات یعنی جن وانس مل جائیں، جن میں اولیاء اللہ، قطب، ابدال، شیخ الحدیث، مفتی، عالم، مفسر، قاری، ریاضی دان، محقق، سائنسدان وغیرہ شامل ہوں اور ان تمام لوگوں کے علوم، فہم، فراست، تقویٰ، للّٰہیت، خشوع، خضوع، تفقہ کو جمع کیا جائے تو وہ ادنیٰ سے ادنیٰ درجے کے صحابی رضی اللہ عنہ کی فہم وفراست تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ وحی عطا کیا گیا، یہ براہِ راست اللہ پاک کی طرف سے عطا ہوا اور وہ انہوں نے براہِ راست صحابہ کو قرآن پاک کا مفہوم سکھلایا۔ خلاصہ یہ کہ مصنوعی ذہانت قطعی طور پر قرآن پاک کا صحیح مفہوم نہیں بیان کر سکتی، لہٰذا ہم میں سے ہر ایک مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ قرآنِ پاک کی اُسی تفسیر اور مفہوم کو قبول کرے جو صحابہ کرام کے ذریعے ہم تک پہنچتی ہے۔ نیز ہمیں چاہیے کہ ہم مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر کو دینی علوم بالخصوص قرآنِ پاک کی تفسیر وترجمہ کے لیے ہرگز ہرگز استعمال نہ کریں۔

دلوں پر گناہوں کے مہلک اثرات.....

نصیحت اور عبرت سے محرومی

مفتی تنظیم عالم قاسمی

زمانۂ جاہلیت کے تاریک دور میں جب قرآن روشن دلائل لے کر نازل ہوا، تو بہت سے خوش نصیب لوگ پہلے ہی مرحلے میں اسلام کے در پر جھک گئے، قرآن نے ان کے دلوں میں ہلچل پیدا کر دی، خدا کے وجود، اس کی لامتناہی قدرت وعظمت کے وہ قائل ہوئے اور انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ ایک خدا کے علاوہ، جن بتوں کے سامنے ہم سجدہ کرتے تھے، وہ باطل اور جھوٹے ہیں، اسلام کی سچائی پا کر وہ اپنی قسمت پر ناز کرتے اور گم راہی میں گذری ہوئی زندگی پر انہیں کبھی کبھی بڑا افسوس ہوا کرتا تھا، قرآن مجید میں اللہ تعالی نے اپنے وجود، وحدانیت، حشر ونشر، قیامت، جنت وجہنم اور آخرت کے مناظر کو اس طرح صاف اور روشن دلائل سے بیان کیا ہے کہ ان میں ادنی غور وفکر سے ہدایت نصیب ہو سکتی ہے۔

لیکن اس کے باوجود کفار مکہ کی ایک بڑی تعداد کفر وشرک پر قائم رہی، اسلام ان کے قلب وجگر کو مسخر نہ کر سکا اور نہ ہی اس کے دلائل ان کی زندگی کو صحیح رخ دے سکے، قرآن نے اس کی وجہ بیان کی ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ، خَتَمَ اللهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ ترجمہ: "جن لوگوں نے ان باتوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے، ان کے لیے یکساں ہے، خواہ تم انہیں خبردار کرو یا نہ کرو، بہر حال وہ ماننے والے نہیں ہیں، اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے، وہ سخت سزا کے مستحق ہیں۔" یعنی ان باتوں میں تاثیر بجا طور پر پائی جاتی ہے، مگر کسی مؤثر کلام سے فائدہ اسی وقت پہنچ سکتا ہے جب کہ سننے والوں کا ارادہ نیک ہو، وہ اسے قبول کرنے اور ماننے کا قصد کریں، ورنہ کسی موقف پر ضد اور ہٹ دھرمی کرنے والوں کے لیے ہزار دلائل بھی بے سود ہیں۔

کفار مکہ کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا کہ وہ حق بات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، اگر سمجھتے بھی تو اسے عناداً قبول نہیں کرتے، سچی بات کو متوجہ ہو کر نہیں سنتے، راہ حق کو نہیں دیکھتے تھے، ان لوگوں نے نفرت وعناد کے سبب کچھ ایسا حال بنا لیا تھا کہ مذہب اسلام کی صداقت، ایک خدا کے وجود اور حشر ونشر کے روشن اور واضح سے واضح دلائل کو دیکھنے اور سننے کے لیے وہ تیار ہی نہیں ہوتے تھے، ان کی اصلاح اور ایمان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کوشش کرتے وہ رائیگاں ہو جاتی اور ذرہ برابر بھی ان کے دل ودماغ پر اس کا اثر مرتب نہ ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ ان لوگوں نے جان بوجھ کر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیش کردہ باتوں کو رد کر دیا ہے اور سچے راستے کے خلاف دوسرا راستہ اختیار کر لیا ہے، اس لیے اللہ نے ان کی حالت پر نظر رکھتے ہوئے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے، ان کے نتائج انتہائی برے اور خوفناک ثابت ہوں گے، کسی چیز پر مہر اس لیے لگائی جاتی ہے، تاکہ باہر سے کوئی چیز اس میں داخل نہ ہو، کفار مکہ نے سوچنے، سمجھنے اور قبول حق کے تمام راستے اپنے اوپر بند کر لیے تھے، اس لیے ان کی اصلاح کی توقع فضول تھی۔ قرآن نے ان کے دلوں پر مہر بندی کی اطلاع کے ساتھ عذاب عظیم سے باخبر کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق بات کا دلوں پر اثر انداز نہ ہونا، اس لیے ہوتا ہے کہ گناہوں کی کثرت اور بے توجہی کے سبب قدرتاً دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے، جو ایک انسان کے لیے بڑی محرومی اور بد بختی کی بات ہے اور یہ دنیا و آخرت کا بڑا خسارہ ہے۔

آج ہم اپنے دلوں کا جائزہ لیں، سماج اور معاشرے پر نظر ڈالیں کہ اسلامی احکام کی اتباع کے لیے ہم کتنا دوڑ رہے ہیں، دینی اجلاس و اجتماع کی کثرت ہے، درس قرآن اور درس حدیث کی کمی نہیں، دینی تحریکات اور اصلاحی کوششوں کی بھی کمی نہیں، ہر جمعے نماز سے قبل مختلف عنوانات پر اصلاحی بیانات کا سلسلہ جاری ہے، ہر طرف قرآن اور حدیث کی ہی باتیں آپ کو ملیں گی، مدارس و مکاتب اور خانقاہوں کا وجود نہ صرف باقی، بلکہ ان کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے، پھر اس کے باوجود روحانی اعتبار سے ملت بیمار کیوں ہے؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ خود مسلمانوں کے گھروں اور سماج میں ایسی بے حیائیاں جنم لے رہی ہیں، جن سے انسانیت کو بھی شرم آتی ہے، سود، رشوت، شراب نوشی، زنا کاری، ظلم و زیادتی، قتل و غارت گری، گالی گلوچ، بداخلاقی و بدکرداری، ناجائز عقد و معاملات اور دیگر برائیاں اس طرح مسلم معاشرے میں جڑ پکڑ گئی ہیں کہ ان کے ازالے کے لیے بڑے سے بڑے مصلح، داعی، مفکر و مدبر کی کوششیں بے کار ثابت ہو رہی ہیں، قرآن و حدیث پر مشتمل ان تقاریر و بیانات کا کوئی اثر ہے اور نہ اصلاحی و دینی مضامین و مقالات اور کتابوں کا، پہلے کے مقابلے میں اب دینی رسائل و جرائد کی بھی بہتات ہے اور کتابوں کی طباعت ہر سال بڑھتی جا رہی ہے، لیکن برائیوں اور بے حیائیوں کا سیلاب ہے، جس پر بند لگانے کی ہر کوشش ناکام ہے۔

قرآن پڑھنے کی ایک مثال لیجیے، صحابہ کرام جب قرآن پڑھتے یا سنتے تو ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے، جہنم کے مناظر اور اس کے خوفناک عذاب کے بیان سے جسم کانپ اٹھتا، جنت کی لازوال نعمتوں کا اشتیاق پیدا ہوتا، وہ بچوں کی طرح روتے، بلکتے اور تڑپتے تھے، بلکہ ابوجہل، ابولہب، اخنس بن شریق جیسے سخت دل کفار مکہ بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے تہجد کی نماز میں قرآن سنتے تو زار و قطار روتے اور ان کے کلیجے پھٹ پڑتے تھے، مگر آج ہم بھی قرآن پڑھتے اور سنتے ہیں، غور کیجیے کہ کیا اس عظیم الشان کتاب کی آیات سننے سے دلوں میں کوئی ہلچل پیدا ہوتی ہے، روح میں وجد آتا ہے، زندگی میں انقلابی اثرات رونما ہوتے ہیں، شب و روز قرآن پڑھنے کے باوجود بھی کبھی نہ رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، نہ آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں، نہ ہمارے جذبات میں کوئی طوفان برپا ہوتا ہے اور نہ ہی قلب و جگر کی تسخیر پائی جاتی ہے۔

اسی طرح عمل کی باری آئی تو صحابہ کرام اس میں بھی کھرے اترے، جیسے ابتدائے اسلام میں شراب کی حرمت نازل ہوئی تھی، عرب کے دستور کے مطابق بعض مسلمانوں میں بھی اس کی لت پڑی ہوئی تھی، لیکن مدنی زندگی میں سورہ مائدہ آیت:91-90 میں جب اس کو واضح طور پر حرام قرار دے دیا گیا تو وہی مسلمان جو اس کے دلدادہ تھے، اس کی حرمت سننے کے بعد فوری طور پر رک گئے، شراب کے برتنوں اور مٹکوں تک انہوں نے توڑ ڈالے اور گلیوں میں شراب بہادی۔

روایت میں ہے کہ جس وقت شراب کی حرمت نازل ہوئی، شراب کا جام بعض لوگوں کے ہاتھ میں تھا، کچھ پی چکے تھے، کچھ جام میں بچ رہا تھا، انہیں حرمت کا علم ہوا تو شراب کے باقی حصوں کو برتن میں انڈیل دیا اور اسے ضائع کر دیا، پھر اس کی طرف توجہ ہی نہیں کی، عام طور پر انسان جب کسی چیز کا عادی ہوتا ہے اور اس کی لت پڑ جاتی ہے، اس کا چھوڑنا انتہائی دشوار اور وقت طلب ہوتا ہے، لیکن اطاعت وفرماں برداری اور خوف خدا کی یہ حیرت انگیز مثال دیکھیے کہ شراب جس کو وہ چائے کی طرح پینے کے عادی تھے، حکم خداوندی آتے ہی کسی پس وپیش کے بغیر اس کو ترک کر دیا، بلکہ شراب کا جو جام وہ ہونٹ سے لگا چکے تھے، جیسے ہی قرآن کی آیت سنائی گئی، اس لمحے میں اپنے جام کو ہونٹ سے علیحدہ کر لیے اور پھر شراب کا ایک قطرہ بھی حلق میں نہیں گیا، ایسی اطاعت دل پر کتنی گراں گزرتی ہوگی اور کس صبر سے انہوں نے کام لیا، کیا خوف خدا کی یہ مثال کہیں اور مل سکتی ہے؟

آج سودی کاروبار کرنے والے مسلمان، سود کی حرمت کے خلاف تقریریں سنتے ہیں، سود پر اللہ کا جو غضب نازل ہوتا ہے اور آخرت میں اس کے جو خوف ناک نتائج ہوں گے، ان پر بھی ان کی اچھی نظر ہے، سودی لین دین کی لعنت والی قرآنی آیات واحادیث کا مطالعہ بھی کرتے ہیں، لیکن کیا ان بیانات سے، قرآن وحدیث کی دھمکیوں سے ہمارے دل میں کوئی حرکت پیدا ہوئی؟ کتنے ایسے مسلمان ہیں جنہوں نے خوف خدا کے سبب قرآنی احکام سنتے ہی ایسے کاروبار کو ترک کر دیا ہو اور گزرے ہوئے معاملات پر آنکھوں سے آنسو بہے ہوں؟ زندگی گناہوں اور برائیوں سے لت پت ہے اور ان جرائم کے خلاف شب وروز قرآن وحدیث کی باتیں کانوں سے ٹکراتی ہیں، عذاب قبر اور جہنم کے مناظر کا بیان بھی سامنے ہوتا ہے، لیکن جسم میں کوئی حس نہیں ہے، دل ودماغ میں کوئی انقلاب نہیں، شب وروز کی عملی رفتار میں کوئی تغیر نہیں، بلکہ نیکیوں کے بجائے برائیوں کی طرف، رحمت خداوندی کے بجائے اس کے غضب کی طرف ہم لپک رہے ہیں۔

بلاشبہ قرآن کی اپنی تاثیر باقی ہے، شریعت کی پابندیاں اپنی جگہ قائم ہیں، جنت وجہنم کی ساری باتیں پہلے کی طرح اب بھی تازہ ہیں، لیکن دلوں کی کیفیت بدل گئی، ایمانی حرارت میں فرق آ گیا، عند اللہ جواب دہی کا احساس مٹ گیا، جس دل میں سختی پیدا ہو جاتی ہے، قبولیت کے تمام دروازے اس کے لیے بند ہو جاتے ہیں اور ایسے قلوب کے لیے قرآن نے بہت سخت وعید بیان کی ہے: ﴿فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكْرِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (الزمر:22) ترجمہ: "تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل اللہ کی نصیحت سے اور زیادہ سخت ہو گئے، وہ کھلی گم راہی میں پڑے ہوئے ہیں۔"

کہیں ایسا تو نہیں کہ بداعمالیوں کے سبب ہمارے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہو، جس کی وجہ سے اصلاح کی تمام

کوششیں ضائع ہورہی ہیں اور دل ودماغ پر قرآن وحدیث کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہے، اگر ایسا ہے تو یہ بڑی بدبختی اور محرومی کی بات ہوگی، اس لیے اپنے قلوب کی تہوں میں جھانک کر دیکھیے، تنہائی میں غور کیجیے، دل کو ٹٹولیے اور توبہ کیجیے، اپنے گناہوں اور بداعمالیوں سے، آج اس کا موقع ہے، آنکھیں موند لینے کے بعد حسرت کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔

دلوں پر اچھی بات اثر انداز نہ ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے قرآن نے کہا: ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ (المطففین:14) ترجمہ: "ہرگز نہیں، بلکہ دراصل ان لوگوں کے دلوں پر ان کے بُرے اعمال کا زنگ چڑھ گیا ہے۔" گناہوں کی کثرت ومزاولت سے دل پر تاریکی چھا جاتی ہے، پھر جوں جوں گناہ کا سلسلہ جاری رہتا ہے، تاریکی میں شدت پیدا ہوتی رہتی ہے اور حالت اس قدر پختہ ہوجاتی ہے کہ روشن دلائل اور قرآن وحدیث کی باتوں اور نیک خیالات کا اس پر گذر نہیں ہوتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد: "**ان المؤمن اذا اذنب کانت نکتة سوداء فی قلبه، فان تاب و نزع و استغفر صقل قلبه، و ان زاد زادت حتی یعلو قلبه ذاک الرأن الذی ذکر الله عز و جل فی القرآن: ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾** (مسند احمد، حدیث نمبر :7939) ترجمہ: انسان جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، اگر اس نے توبہ واستغفار کرلیا تو سیاہی مٹ جاتی ہے اور دل صاف ہوجاتا ہے، لیکن اگر اس نے اس گناہ سے توبہ نہ کی اور دوسرا گناہ کرلیا تو ایک دوسرا نقطہ سیاہ لگا دیا جاتا ہے اور اسی طرح ہر گناہ پر سیاہ نقطے لگتے چلے جاتے ہیں، یہاں تک کہ یہ سیاہی سارے قلب پر محیط ہوتی ہے، اس ظلمت وسیاہی کا نام قرآن کریم میں "ران" آیا ہے: ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾

اس مضمون پر مشتمل متعدد احادیث ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی سرکشی اور بداعمالیوں سے دل کی نورانیت ختم ہوجاتی ہے، پھر نصیحتوں اور نیک باتوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا، دل کی سیاہی ایک پر ایک گناہ سے بڑھتی ہی جاتی ہے، جب تک توبہ واستغفار کرکے اسے پاک صاف نہ کرلیا جائے، ہر کلام اس کے لیے غیر مؤثر ثابت ہوتا ہے، اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ اپنے دل کو گناہوں سے آلودہ نہ ہونے دے، اگر بشری تقاضے کی بنیاد پر کبھی گناہ سرزد بھی ہو جائے تو اللہ کی طرف رجوع ہو، آنکھوں سے آنسو بہا کر خدا کے حضور صدق دل سے توبہ کرے، دل کی سیاہی ساری محرومی کی جڑ ہے، دل روشن اور پاکیزہ رہے تو تمام اعضا سے نیک اور خدا کی مرضی کے مطابق امور انجام پاتے ہیں اور دل میں ہی کجی رہی تو کوئی عضو نیک کام کے لیے تیار نہیں ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: "**الا، و ان فی الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد کله، و اذا فسدت فسد الجسد کله، الا و هی القلب**" (صحیح بخاری) ترجمہ: خبردار! بلاشبہ بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ ٹکڑا صالح رہتا ہے تو تمام بدن میں صالحیت رہتی ہے اور جب اس میں فساد پیدا ہوتا ہے تو پورے جسم کا نظام بگڑ جاتا ہے، خبردار! اور وہ ٹکڑا دل ہے۔"

جسم کا نظام بگڑنے سے مراد اس سے صحیح افعال کا صادر نہ ہونا ہے، یعنی جب دل میں کجی اور فساد آتا ہے تو اعضا سے بھی برے افعال صادر ہوتے ہیں اور دل صحیح رہتا ہے تو وہ اعضا کو صحیح اور نیک کام کی ترغیب دیتا ہے اور انسان سے اچھے کام کا صدور ہوتا ہے اور اس پر دین کی باتیں اثر انداز ہوتی ہیں، ورنہ دل سیاہ رہتے ہوئے قیمتی سے قیمتی باتیں بے سود ثابت ہوتی ہیں، آپ اگر اپنی کام یابی چاہتے ہیں تو دل کو سیاہ ہونے سے بچایئے، گناہوں سے توبہ واستغفار کی عادت ڈالیے، توبہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے، اس سے بڑا سے بڑا گناہ بھی ختم ہو جاتا ہے، اگر آپ نے گناہوں سے توبہ نہیں کی تو دل کی سیاہی بڑھتی جائے گی اور پھر اچھے اچھے دینی مضامین، اچھی کتابیں اور مؤثر خطاب بھی آپ کو صحیح رخ نہیں دے سکتا، ضلالت وگم راہی آپ کا مقدر بن جائے گی، جو ایک انسان کے لیے ایسی ہلاکت ہے جس سے بڑی کوئی ہلاکت نہیں۔

****

شام کا عالم اور شام کی دعا

شام یوں تو روزانہ ہوتی رہتی ہے اور نظامِ شمسی کے ماتحت رات اور دن کا سلسلہ جاری ہے؛ مگر غور کیجیے کہ شام اپنے پیچھے کیا اندوہناک مناظر لاتی ہے، ظلمتوں کا طوفان آتا ہے، خاموشیوں کا سیلاب آتا ہے، دنیا پر سکوت کا سایہ چھا جاتا ہے، ذرے ذرے پر موت طاری ہو جاتی ہے، دن کی ساری رنگینی سمٹ سمٹا کر درختوں، ویرانوں، گھروں، باغوں اور غاروں میں کھو جاتی ہے اور ہر طرف ہو کا عالم ہو جاتا ہے، کیڑے مکوڑے اپنے بلوں سے نکل پڑتے ہیں، جنگل کے جانور جھاڑیوں سے باہر نکل کر گھومنے لگتے ہیں، وحشی چرند اور پرند غول در غول ادھر اُدھر پھرنے لگتے ہیں اور ارواح خبیثہ اور شریر جنات خاموش اندھیروں اور سنسان ویرانوں میں عُدوان وشرارت کرنے لگتے ہیں، رات کے اندھیرے اور خاموشی میں جانی پہچانی صورتیں اچانک سامنے آجائیں تو انسان ڈر جاتا ہے، سنی سنائی آوازیں اگر ایک بارگی کان میں پڑ جائیں تو آدمی کانپ جاتا ہے اور دیکھا دکھایا سایہ اگر یک بیک نظر آجائے تو دلیر سے دلیر آدمی سہم جاتا ہے۔

چور ڈاکو نکلتے ہیں، دشمن مقابلے کے لیے چلتے ہیں اور زہریلے جانور اور درندے پھیلے ہوئے ہوتے ہیں، ان حالات میں انسانی زندگی وہ بھی احساس وشعور سے محروم ہونے والی اور نیند میں گم ہونے والی کن خطرات میں ہوگی؟ آپ اس کا اندازہ بخوبی فرما سکتے ہیں! ان حالات کے ماتحت اسلام نے ہر شام ہی سے انسانی تحفظ کی تدبیریں بتائیں اور عالمِ خواب میں حفاظتِ خود اختیاری کے حق سے بھی محروم ہونے والے انسان کی حفاظت کے لیے روحانی ہتھیار دیئے؛ حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یہ دعا سکھائی اور فرمایا کہ: تم شام اور صبح کو بستر پر لیٹتے وقت یہ دعا پڑھا کرو!

"اللّٰهُمَّ عَالِمَ الغَيْبِ والشَّهَادَةِ، فَاطِرَ السَمٰوَاتِ والأَرْضِ، رَبَّ كُلِّ شَيءٍ ومَلِيْكَهُ، أَشْهَدُ أنْ لَا إِلٰـهَ إلاَّ أَنْتَ، أعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي، وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهِ" (ماخوذ: ہفتہ وار البلاغ، صفحہ: 3، 24 ستمبر، 1954)

اولڈ ایج ہاؤس

(Old Age House)

مولانا سید انور شاہ

انسان عام طور پر اپنی زندگی میں تین مرحلوں سے گزرتا ہے۔ وہ اس حال میں پیدا ہوتا ہے کہ اس کی آنکھیں بند ہوتی ہیں۔ زبان قوتِ گویائی سے محروم ہوتی ہے۔ پاؤں میں چلنے کی طاقت نہیں ہوتی۔ عقل وشعور کے اعتبار سے بھی وہ ایک ناقص وجود ہوتا ہے۔ پھر قدرت کے ہاتھوں آہستہ آہستہ اس کی نشو ونما ہوتی ہے، اور جب وہ بڑھتے بڑھتے جوانی کی منزل میں داخل ہوجاتا ہے، تو اس کی ساری صلاحیتیں اور قوتیں عروج پر ہوتی ہیں، اس کی طبیعت میں مہم جوئی کا جذبہ ہوتا ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات پُرمشقت راستوں پر چلنے اور خطرات کے طوفانوں سے کھیلنے میں اسے لطف آتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی تمام قوتوں اور صلاحیتوں میں انحطاط شروع ہوتا ہے، جس شخص کو کل دوڑنے، بھاگنے اور کود پھاند کرنے میں مزہ آتا تھا، اب وہ دو قدم چلنے میں کسی انسان یا لاٹھی کا محتاج ہوتا ہے۔ گویا ایک طرح سے پھر اس کا بچپن لوٹ آتا ہے اور اس کی انتہا اپنی کیفیت کے اعتبار سے اس کی ابتدا کے ہم پایہ نظر آتی ہے، لیکن عمر کے ان دونوں مرحلوں میں فرق یہ ہے کہ بچہ پورے خاندان کی توجہ کا مرکز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے والدین، دادا، دادی، نانا اور نانی میں محبت وشفقت کے جو غیر معمولی جذبات رکھے ہیں، اس کے تحت اسے سب کی چاہت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن بوڑھوں اور معذوروں کو یہ توجہ حاصل نہیں ہوتی۔

اور بدقسمتی سے موجودہ دور میں یہ بے توجہی بڑھتی ہی جارہی ہے، کیونکہ اس وقت دنیا پر مغربی تہذیب کا بول بالا ہے اور اس تہذیب کی بنیاد خودغرضی اور مفاد پرستی ہے۔ جس شخص سے مستقبل میں کوئی غرض وابستہ نہ ہو اسے بوجھ تصور کیا جاتا ہے، اسی لیے بوڑھے ماں باپ اور خاندان کے معذور افراد تکلیف دہ بے توجہی کا شکار ہیں۔ خاص کر اگر اولاد میں اللہ کا خوف نہ ہو تو والدین ایک بوجھ محسوس ہونے لگتے ہیں، اسی لیے قرآن مجید میں اللہ نے یہ حکم دیا کہ ”جب والدین میں سے کوئی بڑھاپے کو پہنچ جائے تو انھیں اُف بھی نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو، بلکہ ان سے نرم گفتگو کیا کرو۔“ (سورۃ الاسراء: ۲۴) مقصد یہ کہ کوئی بھی ایسا کلمہ ان کی شان میں زبان سے مت نکالو جس سے ان کی تعظیم میں فرق آتا ہو، یا جس کلمہ سے ان کے دل کو رنج پہنچتا ہو۔ حضرت مجاہدؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر وہ بوڑھے ہوجائیں اور تمہیں ان کا پیشاب پاخانہ دھونا پڑ جائے تو کبھی اُف بھی نہ کرو، جیسا کہ وہ بچپن میں تمہارا پیشاب پاخانہ دھوتے رہے ہیں۔ (الدر المنثور: ۵/ ۲۲۴)

علامہ جصاص رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ہشام بن عروہؒ نے اس آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ

والدین کی ہر جائز خواہش اور چاہت پوری کرلیا کرو:''و قال هشام بن عروه عن أبيه و اخفض لهما جناح الذل من الرحمة: قال لا تمتنعها شيأ يريدانه۔''(احکام القرآن:۲۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شخص ذلیل وخوار ہو، وہ شخص ذلیل وخوار ہو، وہ شخص ذلیل وخوار ہو۔(تین مرتبہ یہ بددعا فرمائی) عرض کیا گیا: کون یارسول اللہ!؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شخص جس نے اپنے ماں باپ دونوں کو یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا، پھر ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہوا۔(مسلم، کتاب البرّ والصلۃ، ج:۲،ص:۳۱۴)

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام نوویؒ فرماتے ہیں: والدین کے ساتھ حسنِ سلوک یہ ہے کہ ان کے بڑھاپے اور کمزوری کے زمانے میں ان کی خوب خدمت کی جائے اور ان کے مکمل اخراجات اٹھائے جائیں اور یہی چیز جنت میں دخول کا ذریعہ ہے۔ان کی خدمت اور اخراجات میں غفلت اور کوتاہی سے کام لینا جنت سے محرومی کا ذریعہ ہے:''و قال النووي رحمہ اللہ: معناه أن يبر هما عند كبر هما و ضعفهما بالخدمة و النفقة و غير ذلك سبب لدخول الجنة، فمن قصر في ذلك فاته دخول الجنة۔''(مرقات، ج:۷،ص:۳۰۸۰)

شریعت نے جتنا زیادہ بوڑھوں کے حقوق پر زور دیا ہے اور اس کی طرف توجہ دلائی ہے، افسوس کہ اتنا ہی زیادہ ان کے حقوق سے بے توجہی برتی جاتی ہے۔اور ان کے ساتھ ایسا سلوک روا رکھا جاتا ہے کہ گویا وہ زائد از ضرورت کوئی شئے ہے۔آج شاید یہ سب سے زیادہ مظلوم طبقہ ہے، جن کے حقوق کے لیے کوئی آواز اُٹھانے والا نہیں۔انسانی حقوق کا نعرہ لگانے والی تنظیمیں بھی اس سلسلے میں خاموش تماشائی دکھائی دیتی ہیں۔

اس پس منظر میں بوڑھے اور سن رسیدہ لوگوں کے حقوق کے سلسلے میں ایک اہم مسئلہ اولڈ ایج ہاؤس کے قیام کا ہے، چنانچہ مغربی ملکوں میں عمر دراز لوگوں کے لیے ہاسٹل بنا دیئے گئے ہیں۔اور اب ہمارے یہاں بھی جگہ جگہ ایسے ہاسٹل بن رہے ہیں، جن میں نوجوان اپنے بزرگوں کو داخل کر دیتے ہیں۔اس میں ایک پہلو یہ ہے کہ ان عمر دراز حضرات کو ایک جگہ اپنی ضروریات کی چیزیں مہیا ہو جاتی ہیں اور اپنے ہم عمر لوگ مل جاتے ہیں۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کی محبت سے محروم ہو جاتے ہیں۔عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ انسان کی چاہت ہوتی ہے کہ اپنے بال بچوں کے درمیان رہے، اولاد اور اولاد کی اولاد کو دیکھ کر اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ایسے ہاسٹلوں میں ان کی یہ خواہش ایک حسرت بن جاتی ہے۔ایسے ہاسٹلوں کے متعلق شریعت کا نقطہ نظر کیا ہے؟ نیز کوئی اپنے بزرگوں کو ایسے ہاسٹلوں میں قیام پر مجبور کر سکتا ہے یا نہیں؟

والدین کے حقوق اور خدمت کے متعلق اوپر ذکر کردہ قرآن وحدیث کے اس تاکیدی حکم سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی ہر ممکن خدمت کی جائے، ان کی منشا کا بھرپور لحاظ رکھا جائے، جس طرح وہ زندگی بسر کرنا چاہیں، ان کی خواہشات کا

احترام کیا جائے۔اس سلسلے میں پیش آمدہ دشواریوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا جائے، بلکہ خدمت کے اس موقع کو غنیمت جانا جائے اور اسے اپنے لیے سعادت اور برکت کا ذریعہ سمجھا جائے۔اور ظاہر ہے کہ ان کی خدمت کا کامل حق تو اسی وقت ادا ہوگا جبکہ وہ اپنے اہل خانہ کے درمیان زندگی بسر کریں۔اگر انہیں بوڑھوں کے کسی ہاسٹل میں ڈال دیا جائے گا، تو ان کی خدمت کا موقع فراہم نہ ہوگا۔خاص کر بڑھاپے کی اس عمر میں طبیعت زیادہ خراب ہوتی ہے اور صحت روبہ زوال ہوتی ہے، خدمت و مدد کی بار بار ضرورت پڑتی ہے۔ان کی جیسی نگہداشت ہونی چاہیے، ہاسٹل میں ویسی نہیں ہو پاتی۔

دوسری طرف صورت حال یہ ہے کہ مغربی تہذیب اور مغربی حیات کا بول بالا ہے جس کی موجوں نے آج معاشرتی نشیمن کو تہہ و بالا اور خاندانی نظام کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔مغربی تمدن اور تہذیب کا علمی اور نفسیاتی جائزہ لینے والے اس پر متفق ہیں کہ اس کی بنیاد خود غرضی، مفاد پرستی اور مشترکہ مادی منفعت پر ہے۔ساری مغربی دنیا کا پورا معاشرہ ایک تجارتی کمپنی کے اصولوں پر عامل اور گامزن ہے۔وہاں انسان صرف ایک مشین یا محض تاجر بن کر رہ گیا ہے۔عائلی نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا ہے، نہ اخلاص نہ محبت، نہ ایک دوسرے سے کوئی ربط اور تعلق۔یہ مغربی تہذیب کے جراثیم ہیں، جس نے انسان کو حواس باختہ کر دیا ہے، اس کے دل و دماغ پر مادیت کے پردے ڈال دیئے ہیں اور اس کے احساسات کو مردہ کر دیا ہے۔

آگے کے اقتباس سے وہاں کی تہذیب و تمدن اور وہاں رہنے والے لوگوں کی انسانیت نوازی اور اپنے والدین کے لیے جذبۂ ہمدردی کا اندازہ لگائیں۔حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب اپنے سفرنامہ ''دو مہینے امریکہ میں'' وہاں کے خاندانی حالات اور والدین و اولاد کے باہمی تعلقات کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''یہاں والدین اولاد کے صرف جوان ہونے تک اپنے کو ایک حد تک ذمہ دار سمجھتے ہیں، اور درمیان درمیان میں ان بچوں کے ذہن میں یہ خیال پیدا کرتے ہیں کہ آدمی کو خود اپنی کمائی سے اپنے مصارف پورے کرنے چاہئیں۔ان کی تعطیلات میں ان کو وقتی طور پر ملازمت کر لینے یا کوئی آمدنی والا کام کرنے کا شوق دلاتے ہیں اور جیسے ہی ان کی عمر کمانے کی ہو جاتی ہے، ان کو خود اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔اولاد بھی بڑی ہو کر اس رویہ کا جواب اپنے خود غرضانہ رویّے سے دیتی ہے کہ ہر شخص اپنی کمائی سے فائدہ اُٹھائے۔نہ کما سکتا ہو تو حکومت اس کی ذمہ داری لے یا پھر اس کی قسمت ہے، بھگتے۔کوئی ایک دوسرے کا ذمہ دار کیسے ہو سکتا ہے، جبکہ ہر شخص کی کمائی اس کی ضرورت اور مصارف کے مطابق ہے۔اسی سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد لوگوں کی حالت عجیب ہوتی ہے۔اعزہ سے ملاقات، اہلِ تعلق کی مزاج پرسی اور ہمدردی سے وہ بالکل محروم رہتا ہے، اپنا وقت خود ہی گزارنا پڑتا ہے۔بوڑھوں کی دلبستگی کے لیے اگر بیوی کے لیے شوہر اور شوہر کے لیے بیوی نہیں ہے، تو کوئی دلبستگی کرنے والا نہیں، بہت کسی نے کیا تو اتوار کے روز چند منٹ آ کر مل گیا اور اپنے ہاتھ کچھ پھول یا گلدستے اظہارِ تعلق کے لیے ہدیتہً لے آیا۔'' (دو مہینے امریکہ میں: ۲۵۶، ۲۵۷)

مذکورہ بالا اقتباس سے معلوم ہوا کہ ''بوڑھوں کے ہاسٹل'' مغربی نظام کا عطیہ اور غیر اسلامی و مادی فکر کا نتیجہ ہیں،

جو اسلام کے عطا کردہ لازوال اور فلاحی معاشرتی نظام کے بالکل مخالف ہے، لہٰذا عام حالات میں بوڑھوں یا معذوروں کو بوجھ سمجھ کر ان کو ہاسٹل کے حوالہ کرنا اور وہاں قیام پر مجبور کرنا نہ شرعاً جائز ہے اور نہ عقلاً اس کی گنجائش ہے۔

البتہ ایسے بے سہارا معذور اور بوڑھے حضرات جن کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا اور در بدر ٹھوکریں کھانے اور اِدھر اُدھر مارے مارے پھرنے پر مجبور ہو کر لاوارث بن گئے ہوں تو ایسی صورت میں ان کے لیے اس غرض سے ہاسٹل قائم کرنا اور اس میں ان کی ضروریات و سہولیات مہیا کرنا، تاکہ وہ اپنی زندگی کے بقیہ ایام باعزت طور پر گزار سکیں اور در بدر کی ٹھوکریں کھانے سے محفوظ رہیں، ایک مناسب اقدام معلوم ہوتا ہے، خواہ یہ ہاسٹل حکومت کی طرف سے قائم کیے جائیں یا رفاہی اور سماجی تنظیموں کی طرف سے۔

واضح رہے کہ یہ مسئلہ کا کوئی مستقل حل نہیں ہے، اصل طریقہ وہی ہے جو اسلام نے پیش کیا ہے کہ ان کو گھروں میں رکھ کر ان کی خدمت کی جائے، لہٰذا بوڑھوں کے متعلق معاشرے کے ہر فرد میں یہ احساس پیدا کیا جائے کہ بوڑھے حضرات انسانی سماج کا عضو معطل یا اس کے لیے بارِ گراں یا زمین کا بوجھ نہیں ہیں، بلکہ وہ بیش قیمت سرمایہ ہیں اور ہر اعتبار سے انسانی تکریم کے مستحق ہیں، ان کی خدمت اپنی سعادت سمجھ کر کی جائے۔

مجبوری کی صورت میں معذور اور بوڑھے حضرات کا ہاسٹل کی طرف منتقل ہونے کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام کا خلاصہ ملاحظہ کیجئے:

۱:- اولاد گھر میں موجود ہو اور بوڑھے ماں باپ کی خدمت کرنے میں کوئی دقت نہ ہو، نیز ان کو گھر میں رہنے کی خواہش ہو تو ایسی صورت میں اولاد پر بوڑھے والدین کی خدمت واجب ہے۔ ہاسٹل کے حوالہ کرنا جائز نہیں۔

۲:- اولاد گھر میں موجود نہ ہو اور باپ کی خواہش گھر میں رہنے کی ہو تو اگر اولاد مستطیع ہو تو بوڑھے ماں باپ کے لیے خادم کا انتظام کرنا واجب ہے۔ ہاسٹل کے حوالہ کرنا جائز نہیں۔

۳:- اگر گھر میں بوڑھے باپ کے ساتھ نامناسب برتاؤ ہوتا ہو اور اس کی وجہ سے وہ ہاسٹل میں منتقل ہونا چاہتا ہو تو اولاد پر لازم ہے کہ ماحول تبدیل کریں، خوشگوار فضا بنائیں اور بوڑھے باپ کو راحت پہنچائیں اور انہیں ہاسٹل منتقل نہ ہونے دیں۔

۴:- اگر اولاد معاشی مجبوری یا کسی اور حقیقی مجبوری کی وجہ سے یا تنگ دستی کی بنیاد پر خادم نہیں رکھ سکتی ہو، یا اولاد ہی نہ ہو اور دوسرے رشتہ دار صحیح خدمت نہیں کر پا رہے ہوں تو پھر ان کے لیے ہاسٹل منتقل ہونے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

آخر میں اس بات کی وضاحت کرتا چلوں کہ نوجوان نسل میں یہ شعور اور احساس پیدا کرنے کی اشد ضرورت ہے کہ عمر ڈھلنے اور شباب رخصت ہونے کے بعد ان کو بھی اس تلخ حقیقت اور دشوار مرحلہ سے گزرنا ہے، اس لیے وہ اپنے بوڑھوں اور بزرگوں کی خدمت اور اطاعت کریں۔ نیز ان کے ساتھ ہمدردی اور محبت و تعلق کا ایسا نمونہ پیش کریں، جس سے خوشگوار فضا قائم ہو اور آنے والی نسل ذہنی و فکری طور پر اپنے بوڑھوں کی خدمت کے لیے خوش دلی سے آمادہ رہے۔

شادی جلدی کرو اور سادی کرو

محمد ناصر ندوی پرتاپ گڑھی

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله الكريم، وعلى آله وأصحابه أجمعين۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا، اسے عقل وشعور، حیا وغیرت، اور فطری جذبات سے نوازا۔ انسان کی فطرت میں جو تقاضے رکھے گئے، ان میں سے ایک اہم تقاضہ جنسی تسکین بھی ہے، اس کی تکمیل کے لئے دین اسلام نے فطری اور محفوظ راستہ بنایا ہے اور اس راستہ کو عبادت کا درجہ دے کر انسانی زندگی کو حسین و پرسکون اور طہارت سے آراستہ فرمایا ہے، وہ پاکیزہ راستہ ''نکاح'' کا ہے۔ نکاح محض دو افراد کے درمیان ایک معاہدہ یا وقتی رشتہ نہیں، بلکہ یہ دو خاندانوں، دو نسلوں اور ایک مکمل نظامِ حیات کی بنیاد ہے، اسلام نے اسے نصف ایمان قرار دیا، اس کے ذریعہ نہ صرف نسلِ انسانی کی بقا ممکن ہے بلکہ اخلاقی تطہیر، روحانی سکون اور معاشرتی استحکام بھی اسی سے مربوط ہے۔

حدیث شریف میں ہے: عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " من تزوج فقد استكمل نصف الإيمان فليتق الله في النصف الباقي"۔ (الطبراني الأوسط: 7643، 315/8– شعب الإيمان: 5100، 241/7– مستدرك الحاكم: 161/2)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے شادی کر لی اس نے آدھا ایمان پورا کر لیا، لہذا اسے چاہئے کہ باقی آدھے میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے''۔

واضح رہے کہ نکاح ایک عبادت ہے، اور عبادت اسی وقت عبادت کہلائے گی، جب اس کو رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر حکمِ خداوندی اور قربِ الٰہی کا ذریعہ تصور کرتے ہوئے انجام دیا جائے، دوسری قوموں کے طریقہ پر شادی کی تقریب منعقد کرنے سے یہ عبادت، سنتِ نبویہ کے دائرے سے نکل کر محض رسوم ورواج بن جائے گی، جس سے اس کی برکت ختم جائے گی، اگر شادی برکت سے خالی ہوگئی تو دونوں خاندانوں میں بے برکتی کا باعث بنے گی، اور رشتہ بکھر جائے گا، زندگی کا سکون غارت ہوجائے گا، اگر کسی طرح نباہ ہوگیا تو اولاد پر منفی اثرات مرتب ہونگے، وہ نافرمان ہونگے، ماں باپ کے لئے ننگ وعار اور رسوائی کا پیش خیمہ ثابت ہونگے۔ حدیث شریف میں کم خرچ والی شادی کی تعریف کی گئی ہے، اور بابرکت بتائی گئی ہے: ''عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال النبي صلى الله عليه وسلم: ان أعظم النكاح بركةً أيسره مؤنةً۔ رواهما البيهقي في شعب الإيمان.'' (مشكاة 268/2، كتاب النكاح) ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں سب سے کم مشقت (کم خرچ اور تکلف نہ) ہو''۔

آج نکاح کے فطری وشرعی اور سادہ نظام کو ہم نے خود ہی مشکل بنادیا ہے، شادی میں تاخیر، رسم ورواج، جہیز جیسی بے جا شرطیں اور نام ونمود اور غیر ضروری اخراجات نے نکاح جیسے فطری عمل کو غیر فطری، مشکل اور مہنگا بنادیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ معاشرہ فحاشی و بے راہ روی، خاندانی انتشار اور بے برکتی و بے سکونی کا شکار ہوگیا۔

نکاح کو آسان بنانا اور جلدی کرنا ایک دینی، فطری اور عقلی تقاضہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''**إذا جاء كم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه، إلا تفعلوا تكن فتنة في الأرض وفساد عريض**'' (ترمذی: حدیث 1084) ''جب تمہارے پاس کوئی دین واخلاق والا شخص رشتہ لے کر آئے تو اس کا نکاح کردو، اگر تم ایسا نہ کروگے تو زمین میں فتنہ اور فساد پیدا ہوگا'' اس حدیث کی روشنی میں ہم دیکھیں تو فتنہ وفساد کا دائرہ اتنا پھیل چکا ہے کہ زنا عام ہو چکا ہے، ناجائز تعلقات معاشرہ میں بے راہ روی پیدا کر رہے ہیں، فطری حیا مر رہی ہے، اور نوجوان نسل (لڑکا ہو یا لڑکی) ذہنی و نفسیاتی اور اخلاقی بگاڑ کا شکار ہو رہی ہے۔

اسلام نے سادگی کو پسند کیا، نکاح کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے: ''**وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ**'' ترجمہ: ''اور تم میں (یعنی آزاد میں) جو بے نکاح ہوں تم ان کا نکاح کردیا کرو اور (اسی طرح) تمہارے غلام اور لونڈیوں میں سے جو (نکاح) کے لائق ہوں اس کا بھی اگر وہ لوگ مفلس ہوں گے تو خدا تعالیٰ (اگر چاہے گا) ان کو اپنے فضل سے غنی کردے گا اور اللہ تعالیٰ وسعت والا اور خوب جاننے والا ہے''۔ (سورۃ النور: رقم الآیۃ: 32، ترجمہ: بیان القرآن)

یہ آیت صاف اعلان کر رہی ہے کہ غربت نکاح میں رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے، لیکن آج کے والدین سب سے پہلے پوچھتے ہیں: ''آمدنی کتنی ہے، مکان ہے یا کرایہ دار، گاڑی ہے یا نہیں؟'' اگر یہی معیار ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نکاح نہ ہوتے! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''**تزوجوا فإني مكاثر بكم الأمم يوم القيامة**'' (ابن ماجہ) ''نکاح کرو، کیونکہ میں قیامت کے دن تمہاری کثرت پر فخر کروں گا''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کو نکاح کے ذریعہ پاکیزگی عطا فرمائی ہے۔ لیکن آج ہم نے سادگی کے نکاح کی جگہ تعیش ونمائش اور مقابلہ بازی کو فروغ دینا شروع کردیا، آخر کونسی حکومت دباؤ ڈالتی ہے کہ مہنگی شادی کرو، کونسی تنظیم مہم چلا رہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ خرچ کرو، سب جہیز کی لعنت سے نجات پانا چاہتے ہیں، مگر پہل کرنے میں ناک کٹنے سے ڈرتے ہیں۔

اسلامی معاشرہ تبھی پنپ سکتا ہے جب نکاح کو نہ صرف آسان بنایا جائے بلکہ جلدی کیا جائے، تاخیر صرف اس وقت ہونی چاہئے جب کوئی واضح اور شرعی مجبوری ہو۔ ورنہ بلا وجہ تاخیر والدین کے گناہ کے اسباب میں شامل ہے۔

برکت کا تعلق سادگی سے ہے، خرچ سے نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح حضرت عائشہؓ سے، حضرت علیؓ کا حضرت فاطمہؓ سے، اور دیگر صحابہ کرام کے نکاح سادگی اور برکت کی عملی مثالیں ہیں، ہم شادی میں اپنے کسی دوست کو نہ بلائیں تو وہ ناراض ہوجاتا

ہے کہ لو مجھے کیوں شادی میں نہیں بلایا، کسی قریبی رشتہ دار کو نہ بلائیں پھر تو سمجھیں قطع تعلقی پکی ہوگئی، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے، یعنی وہ دس صحاب کرامؓ، جن کو دنیا ہی میں زبان رسالت ﷺ سے جنت کی بشارت عطا ہوئی۔ ان کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے کپڑوں پر زرد رنگ کا نشان تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا نکاح کرلیا ہے؟ کہتے ہیں جی حضور ﷺ میں نے نکاح کرلیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کس سے کیا ہے، تو کہتے ہیں کہ ایک انصاری عورت سے کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: اسے مہر کتنا دیا ہے؟ انہوں نے کہا: ایک گٹھلی کے برابر سونا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر ولیمہ کرو خواہ ایک بکری ہی کا ہو۔

آج بھی اگر مسلمان ان سادہ سنتوں کو اپنائیں تو نکاح دوبارہ آسان ہوجائے گا، اور اللہ کی طرف سے برکت کا نزول ہوگا، میاں بیوی میں مؤدت ورحمت اور دونوں خاندانوں کے لئے باعث شرف اور سکون وفرحت کا ذریعہ ہوگا۔

معاشرہ کا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ لڑکے یا لڑکیاں موجود نہیں، مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے خود راستے بند کردیئے ہیں۔ رشتہ تلاش کرنے میں ذات برادری، مال ودولت، شکل وصورت اور رتبہ وحیثیت جیسی شرطیں داخل کردی ہیں جو اسلامی معیار کے خلاف ہیں۔ اور جس کی وجہ سے لڑکیاں گھروں میں بیٹھی رہ جاتی ہیں، لڑکے فتنوں میں پڑ جاتے ہیں، والدین پریشان رہتے ہیں، اور سماج اخلاقی بگاڑ کا شکار ہوجاتا ہے، حالانکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیندار خاتون کے انتخاب کی تاکید فرمائی ہے، فرمان رسول ہے: ”**عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: تنكح المراة لأربع: لمالها، ولحسبها، وجمالها، ولدينها، فاظفر بذات الدين تربت يداك**“ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت سے نکاح چار چیزوں کی بنیاد پر کیا جاتا ہے، اس کے مال کی وجہ سے، اس کے خاندانی شرف کی وجہ سے، اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اور اس کے دین کی وجہ سے، اور تو دیندار عورت سے نکاح کرکے کامیابی حاصل کر، اگر ایسا نہ کرے گا تو تیرے ہاتھوں کو مٹی لگے گی (یعنی اخیر میں تجھ کو ندامت ہوگی)۔ [**صحيح البخاري/كتاب النكاح/حديث: 5090**] مسلمانوں کو چاہئے کہ اجتماعی طور پر دینی شعور بیدار کریں، اور مساجد و مدارس اور دینی حلقے اس مہم کا آغاز کریں، اور منظم تحریک چلائیں کہ: ”نکاح جلدی کرو، اور آسان بناؤ!“ یہ نہ صرف ایک دینی فریضہ ہے بلکہ معاشرتی تحفظ اور روحانی سلامتی کا ضامن بھی ہے۔

آیئے ہم سب عزم کریں کہ فضول خرچی چھوڑیں گے، جہیز جیسی لعنت کو مسترد کریں گے، ایمان واخلاق کو معیار بنائیں گے، اور نکاح جلدی اور سادگی کے ساتھ کریں گے۔ کیونکہ یہی وہ راستہ ہے جو انسانیت کی تکمیل، عفت کی حفاظت کرتا ہے، اور معاشرے میں برکت اور رب کی خوشنودی کا سبب بنتا ہے۔ اور یاد رکھیں: ”جو نکاح سے بھاگتا ہے، وہ زنا کی طرف جاتا ہے!، جو نکاح آسان کرتا ہے، وہ خیر کا دروازہ کھولتا ہے!“ اللہ تعالی ہمیں نکاح کی اس سنت کو سنت کی طرح اپنانے اور آسان بنانے کی توفیق دے۔ آمین یارب العالمین۔

اسلامی تہذیب وتمدن میں عورتوں کا کردار

ڈاکٹر ساجد خاکوانی

قدرت نے مرد اور عورت دونوں کے درمیان خوب صورت توازن برقرار رکھا ہے، طاقت ایک کو دی ہے تو حسن وکشش دوسرے کو دے دی ہے، ایک کی گود میں اولاد رکھی ہے تو دوسرے کے ہاتھ میں رزق کی باگ ڈور تھما دی ہے، ایک کو چاہنے کی خواہش دی ہے تو دوسرے کو چاہت کی مرکزیت عطا کر دی ہے اور دونوں کے درمیان ایسی کشش رکھی ہے کہ جدا ہوتے ہوئے بھی باہم ایک ہی ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کے درمیان کوسوں دور کے فاصلے ہی کیوں نہ حائل ہو جائیں۔ قدرت کا یہ عطا کردہ توازن جب تک معاشرے میں حقوق وفرائض کی ادائیگی کی صورت میں موجود رہتا ہے، انسانی معاشرہ بگاڑ سے محفوظ رہتا ہے، مگر جہاں جہاں اس توازن کو چھیڑ دیا جائے، وہاں انسانی معاشرہ بھی عدم استحکام کا شکار ہو جاتا ہے۔

دنیا کے کتنے ہی معاشرہ ہیں جہاں عورت کو اس کے اصل مقام سے ہی نہیں، بلکہ اسے مقام انسانیت سے بھی نیچے گرا دیا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں جانور کی زیادہ قدر کی جاتی ہے، بلکہ بعض مذاہب میں تو جانوروں کی پوجا تک کی جاتی ہے جب کہ عورت کو جنس بازار سے بھی کم تر اہمیت دی جاتی ہے۔ غیر مسلم معاشرہ اس کی سب سے بدترین مثال ہے، جہاں عورت کو جہیز کے پیمانے میں تولا جاتا ہے۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ سیرت وصورت، تعلیم وتربیت، سلیقہ وطریقہ اور اخلاق وبردباری جو نسوانیت کے تاریخی وحقیقی جوہر ہیں جن کا وزن عورت کی نسوانیت میں بڑھوتری کا باعث ہوتا ہے، ان سب کی بجائے غیر مسلموں کے یہاں عورت کو اس کے لائے ہوئے جہیز میں تولا جاتا ہے، اگر جہیز زیادہ ہو تو عورت قیمتی ہے، بصورت دیگر عورت کی قبولیت کے امکانات کم سے کم تر ہیں۔ غیر مسلموں کے ساتھ صدیوں تک رہتے ہوئے مسلمانوں کے ہاں بھی غیر مسلموں کے رسوم ورواج جاری رہنے لگے، چناں چہ مسلمانوں کے ہاں بھی جہیز ضروری سمجھا جانے لگا اور شادی کی بے پناہ رسومات اور کثرت سے تحائف کے لین دین نے شادی کو جہاں مشکل تر بنا دیا وہاں لڑکیوں کو بوجھ سمجھا جانے لگا۔

ان بے جا رسومات کے بہت برے اثرات معاشرے پر پڑتے گئے اور بیٹی کو بوجھ سمجھنے والوں نے بیٹی کی پیدائش پر کھل کر ناپسندیدگی کا اظہار شروع کیا اور آنے والے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے لڑکی کی چھوٹی عمر سے ہی اس کا جہیز بنانا شروع کر دیا، تاکہ اسے عزت کے ساتھ رخصت کیا جا سکے۔ گویا پہلے دن سے ہی بیٹی والدین کے بجٹ پر ایک اضافی ذمہ داری بن گئی۔ اس ذمہ داری کو ناروا سمجھنے والے باپ اور بھائی کا رویہ بھی بیٹی اور بہن کے لیے ناقابل برداشت ہوتا گیا اور جیسے جیسے شادی کا وقت قریب آتا گیا ذمہ داران کے ذہنی تناؤ میں اضافہ ہوتا گیا اور ایسا رشتہ تلاش کیا جانے لگا جہاں کم سے کم جہیز دینا پڑے اور ظاہر ہے ان پڑھ، جاہل، معذور، رنڈوا، پسماندہ یا اسی قبیل کا ہی کوئی مرد کم جہیز پر راضی ہو سکتا ہے، جس کے ساتھ عورت کو ساری عمر کے لیے

باندھ کر اسے جیتے جی یوں دوزخ میں ڈال دیا کہ وہ ذہنی اور نفسیاتی طور پر بھی ہمیشہ غیر مطمئن رہے، اس کے خواب چکنا چور ہو جائیں اور شوہر بھی ساری عمر اسے کم جہیز لانے کی پاداش میں جوتے کی نوک پر رکھے۔

کہانی یہیں ختم نہیں ہوتی، بلکہ اس کی اولاد جسے وہ اپنے سینے کے چشموں سے سیراب کرتی ہے، اس کی گیلی کی ہوئی جگہ پر خود سوتی ہے اور اپنے گرم بستر پر اسے سلاتی ہے، اس کی خاطر اپنی جوانی تج دیتی ہے وہی اولاد بڑی ہو کر اسے جوئے میں ہار دیتی ہے اور گھر بیٹھی ماں کسی دوسری کی ملک ہو جاتی ہے اور اگر ایسا نہ بھی ہو تو شادی کے بعد ساس بہو کے جھگڑوں میں کتنے فیصد نوجوان ماں کی مامتا کو اس کے حقیقی روپ میں دیکھتے ہیں اور کتنے ہی ہیں جو اپنی جورو کو لیے کسی نئے گھروندے میں حوا کی بیٹی پر ظلم وستم کی ایک نئی داستان رقم کرنے کے لیے چل نکلتے ہیں۔ شوہر فوت ہو جائے تو عورت کا حق زندگی ہی باقی نہیں رہتا او بعض مذاہب کے لوگ کہتے ہیں کہ اسے شوہر کی چتا کے ساتھ نذر آتش کر دو۔ باپ فوت ہو جائے یا بیٹا ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے جائے یا شوہر جیسا جیون ساتھی چل بسے عورت کو کسی کے ترکے میں سے کچھ نہیں ملنے والا، وہ ہمیشہ سے محروم رہی اور اب بھی محروم ہی رہے گی۔

ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے عقل انسانی نے ایک دوسرا راستہ یوں اختیار کیا کہ عورتوں کو بھی مردوں کی صف میں لا کھڑا کر دیا جائے۔ اس طرح گویا خواتین اپنا معاشی ومعاشرتی بوجھ خود اٹھانے کے قابل ہو جائیں گی اور اپنے مردوں پر یا معاشرے پر بوجھ نہ بنیں گی۔ اس مقصد کے لیے عورتوں پر مردانہ نصاب تعلیمی کے پڑھنے کو لازمی گردانا گیا، انہیں مردوں کے بشانہ شانہ تعلیمی اداروں میں داخل کرا کے مردانہ تعلیم فراہم کی گئی، ان کے لیے برابری کی بنیاد پر ملازمتوں کے دروازے کھول دیے گئے، تاکہ وہ بھی انسانی معاشرے کا انتظام، عدالتی، دفاعی، طبی وتعلیمی اور تکنیکی بوجھ اٹھانے میں مردوں کی مدد ومعان ثابت ہو سکیں۔ اس غیر منطقی عمل نے معاشرے پر سے عورتوں کا بوجھ کم کرنے کی بجائے عورتوں کی ذمہ داریوں میں اس قدر اضافہ کر دیا کہ گھر کا سکون نذر بازار ہو گیا۔ جب ایک ہی منصب پر لڑکے اور لڑکیاں دونوں برابر قابلیت اور مساوی اہلیت کی بنیاد پر درخواست گزار ہوں گے تو صرف عورت کا انتخاب جن پیمانوں کے باعث یقینی ہوگا، وہ پیمانے اظہر من الشمس ہیں۔ ایک ہی دفتر میں کام کرنے والے مرد اور عورتیں غیر فطری مخلوط ماحول کے باعث جن آلودگیوں کا شکار ہوتے ہیں، اخباروں کی خبریں اور ایسے دفاتر میں لگے خفیہ کیمروں سے بننے والی فلموں کے ثبوت عورت کے بے وقعتی اور بے قدری پر دال ہیں۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ نسوانیت کے بغیر انسانیت کی تکمیل ممکن ہی نہیں۔ انسان ایک عورت کے پیٹ میں ہی اپنے آغاز کی ابتدا کرتا ہے، اس کی گود میں پرورش پاتا ہے، اس کے سینے سے سیراب ہوتا ہے اور اسی ماں کی لوریاں اس کی تعلیم کا پہلا سبق ہوتی ہیں، وہی اس کی پہلی استاد ہوتی ہے اور نہ جانے قدرت والے نے اور کتنے ہی کردار اس ماں کی ذات میں جمع کر رکھے ہیں۔

نسوانیت سے مستعار ماں کا یہ مقام اتنا بڑا منصب ہے کہ جنت جیسی جگہ بھی اس کے قدموں کے تلے آن ٹھہرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اقتدار کے لیے، اپنے خزانوں کے لیے، اپنی طاقت کے لیے یا اپنے غضب کے لیے کوئی مثال پیش نہیں کی ہے، سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے لیے ماں کی محبت کو مستعار لیا کہ ماں سے ستر گنا زیادہ محبت

کرنے والا۔ جنت سے بڑھ کر کوئی خوب صورت اور دل نشین مقام اس کائنات میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت بابا آدم علیہ السلام کو اس مقام پر جگہ عطا کی تو انہوں نے بارِالٰہ میں تنہائی کی شکایت کی، جس کے بعد انہیں ایک خاتون اماں حوا کی معیت عطا کی گئی، گویا جنت جیسی جگہ پر بھی بغیر عورت کے انسان کا دل نہ لگا۔ یہ نظام قدرت ہے کہ مرد عورت کے بغیر اور عورت مرد کے بغیر نامکمل ہے، دونوں کے اختلاط سے ہی جہاں نسل انسانی کی بقا ممکن ہے وہاں تہذیب وتمدن کے ارتقا کے لیے بھی دونوں کا اشتراک کار بے حد ضروری ہے گویا کہ مرد اور عورت ایک گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ عورت کو اللہ تعالیٰ نے کیسا خوب صورت کردار عطا کیا کہ عورت مرد کی ضرورت ہے، عورت بچے کی ضرورت ہے، حتی کی عورت عورت کی بھی ضرورت ہے اور عورت کے بغیر انسانی سماج ہمیشہ تشنہ تکمیل رہے گا۔

عورت کی محرومیاں ہمیشہ سے سنجیدہ انسانوں کا موضوع رہی ہیں اور ہر مفکر وفلسفی اور موسس اخلاق نے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ قدیم یونان میں صدیوں یہ بحث چلتی رہی کہ عورت انسان بھی ہے کہ نہیں؟ اور اس دور کی کتنی ہی کتب آج بھی اس بحث کو پیش کرتی ہیں، قدیم عرب معاشرے میں عورت کی حیثیت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے اور ماضی قریب تک میں عورت کے دو ہی روپ سامنے آتے ہیں یا تو وہ ظلم کی چکی میں پستا ہوا ایک بے حقیقت دانہ ہے یا پھر اس بازار کی زینت ہے جہاں صبح وشام گاہک اس کی طلب میں آسودگی ہوس نفس کے لیے آتے ہیں اور وہ انہیں ناچ کر دکھاتی ہے اور گا کر سناتی ہے یا پھر راتوں کو روزانہ ایک نئے مرد کا بستر گرم کر کے اپنے پیٹ کے لیے دو وقت کے ایندھن کا انتظام کرتی ہے۔ لکھنو کے نواب ہوں یا دہلی کا دربار، کلیسا و دیر ہوں یا اسمبلی و پارلیمان یا دنیا بھر کے مشرق ومغرب کے مہذب وغیر مہذب معاشرے ہوں، عورت کی کہانی ہر جگہ یکساں ہی رہی ہے۔

ہمیشہ کی طرح آج کی یورپی تہذیب کے انسانی عالی دماغوں نے بھی عورت کے مسائل کا حل تلاش کیا اور پیش بھی کیا۔ کم وبیش تین سو سالوں سے یورپی تہذیب نے عورت کو حقوق نسواں کے نام سے ایک آزادی دے رکھی ہے، تاکہ اس کے مسائل حل ہو جائیں، لیکن یہ آزادی بھی چوں کہ "مردوں" نے ہی دی ہے اس لیے اس کی حقیقت بھی اس سے زیادہ نہیں کہ تاریخ اپنے آپ کو ایک بار پھر دہرا رہی ہے، عورت کو سر میدان لا کر اس کی ذمہ داریوں میں کمی تو نہیں کی گئی، لیکن معاش کا ایک اور بوجھ بھی اس کے کندھوں پر ضرور ڈال دیا گیا ہے۔ پہلے وہ صرف شوہر کی دست نگر تھی تو اب اس شوہر کے ساتھ ساتھ اپنے باس اور پنے رفقائے کار کا بھی دل لبھانا پڑتا ہے۔ اس نام نہاد جدید، لیکن غیر فطری تہذیب نے عورت کی فطری ذمہ داریاں جو اس کی گود، اس کی اولاد، اس کا خاندان اور اس کے گھر سے عبارت تھیں ان کی بجائے عورت کو سیاست، دفاع، معاش اور انتظامی امور کی طرف دھکیلنے کی بھونڈی کوشش کی ہے، جس کے نتیجے میں خاندانی نظام اور اخلاقی معیارات اپنے تنزل کی انتہا کو چھو رہے ہیں۔

اس غیر فطری سلوک کا نتیجہ ہے کہ عورت سے اس کا نسوانی حسن چھن گیا ہے، لفظ "عورت" جس کا مطلب ہی چھپی ہوئی چیز ہے، اس کو عریاں سے عریاں تر کیا جا رہا ہے۔ عورت کی اس غیر فطری آزادی سے نسلیں مشکوک ہوتی چلی جا رہی ہیں اور یورپ کے مفکرین اس بات پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کے معاشرے سے آہستہ آہستہ باپ آشنا بچے اور باپ نا آشنا بچوں کا فرق مٹتا

چلا جارہا ہے۔عورت کی آزادی کا منطقی نتیجہ معاشرے کی وہ آشنائیاں ہیں جو صدیوں کے قائم کیے ہوئے تاریخی انسانی اخلاق اقدار کو داغ دار کرتی چلی جارہی ہیں اور پھر کیا یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ اس غیر فطری آزادی نے جو یورپ نے عورت کو تھوک کے حساب سے فراہم کردی ہے تقدیس کا دامن بھی کس کس طرح تار تار کردیا ہے اور مقدس رشتوں کے درمیان بھی ہوس نفس کس طرح در آئی ہے اور پھر کیا اس طرح اس معاشرے کو آسودگی حاصل ہوگی ہے؟ اور کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہم جنسیت اور جانوروں تک سے تعلقات استوار کرنے والے اب اس دلدل میں اندر سے اندر دھنستے چلے جارہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ خالق نسوانیت ہے اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم محسن نسوانیت ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے دین سے بڑھ کر کوئی نظام انسانوں کا خیر خواہ نہیں ہوسکتا۔اسلام نے فرائض کے مقام پر معاشرے کے سب طبقوں کو جمع کیا، نماز میں معاشرے کے تمام طبقات کو یکجا کردیا، سب مسلمانوں کے لیے خواہ وہ کسی طبقے، کسی مقام و مرتبے یا کسی رنگ و نسل وعلاقے سے تعلق رکھتے ہوں ایک وقت میں سحر و افطار کے نظام میں یکساں پرو دیا، دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک ہی لباس پہنا کر ایک کلمہ منھ سے نکالتے ہوئے ایک ہی کمرے کے گرد، ایک ہی رخ میں، مانند یک جان، متحرک کردیا، جب کہ سیکولر یورپی تہذیب نے حقوق کے نام پر سب طبقوں کو باہم لڑا دیا ہے، طالب علموں کے حقوق تو اساتذہ سے لڑو، مزدوروں کے حقوق تو مل مالکان سے لڑو، عوام کے حقوق تو حکم رانوں سے لڑو اور خواتین، یعنی بہن، بہو، بیٹی، ماں کے حقوق تو مردوں، یعنی اپنے باپ، بھائی، شوہر اور بیٹے سے لڑو۔اسلامی تہذیب نے "ایثار" کا سبق پڑھایا کہ اپنے حقوق سے دست بردار ہوکر دوسروں کے لیے قربانی دو، جان لبوں پر پہنچ گئی، لیکن پانی ساتھ والے کی طرف بڑھا دیا، ایک ہی فرد کا کھانا تھا تو چراغ بجھا کر خود منھ چلاتے رہے، تاکہ دوسرا پیٹ بھر کر آسودہ ہوجائے، خواہ خود کو بھوکے پیٹ سونا پڑے۔

اس کے مقابلے میں سیکولر مغربی تہذیب نے سکھایا کہ اپنے حقوق مانگ کر نہیں ملتے، بلکہ چھین کر لیتے ہیں اور اس مقصد کے لیے عام طور پر معاشرے کے کم زور طبقوں، کو خاص طور پر عورتوں کو نشانہ بنا کر ان کے ذریعے فساد فی الارض کی آگ بھڑکائی گئی۔ایشیا کے پُرامن مشرقی روایات کے حامل معاشرے میں عورتوں کے حقوق کے نام پر جنس متضاد کے درمیان ایک غیر اعلانیہ جنگ اس معاشرے کو تباہ کرنے کی ایک دانستہ کوشش ہے، عورتوں کے مسائل سمیت کل انسانوں کے کل مسائل کا حل صرف دین اخروی کے اندر ہی پنہاں ہے اور خطبہ حجۃ الوداع سے بڑھ کر اور کوئی دستاویز انسانوں کے حقوق کی علم بردار نہیں ہوسکتی۔عالم انسانیت کو آسودگی، راحت، امن و آشتی، پیار و محبت اور حقوق و فرائض کے درمیان توازن کے لیے بالآخر اسی چشمہ فیض کی طرف ہی پلٹنا ہوگا جو انبیاء کی دعوت کا خلاصہ اور اللہ تعالیٰ کا اس دنیا میں آخری پیغام ہے۔

سائنس اور قرآن

حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی

وجود سے پہلے کوئی نہیں جانتا کہ کیا ہے:

آج کل ایکسرے اور خردبین کے ذریعہ دیکھ لیتے ہیں کہ بچہ دانی میں کیا ہے لڑکا ہے یا لڑکی، یا علقہ اور مضغہ کے خون کو ٹیسٹ کر کے معلوم کر لیتے ہیں کہ بچہ لڑکا ہے یا لڑکی۔ اس سے اشکال ہوتا ہے کہ آیت: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (سورۃ لقمن ۳۱ آیت ۳۴) ترجمہ: بے شک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے اور وہی منہ برساتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ رحموں میں کیا ہے اور کوئی بھی نہیں جان سکتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا اور نہ کوئی جان سکتا ہے کہ وہ کس زمین پر مرے گا۔ بے شک اللہ ہی علم والا ہے خبر رکھنے والا ہے۔ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ بارش کب ہوگی اور رحم میں کیا ہے اس کو کوئی نہیں جانتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالی وجود سے پہلے بھی جانتے ہیں کہ بچہ دانی میں کیا ہے، جراثیم کے وقت جانتے ہیں کہ یہ جراثیم حمل بن کر پیدا ہوگا یا نہیں اور یہ جرثومہ لڑکا ہے یا لڑکی۔ وجود سے پہلے یا کافی واضح بچہ ہو جانے سے پہلے، خون ٹیسٹ کرنے سے بھی معلوم نہیں ہوتا کہ حمل ہے یا نہیں اور حمل ٹھہر گیا ہے تو لڑکا ہوگا یا لڑکی ہوگی، اور اللہ تعالی کو ہر آن اس کا علم ہے وجود سے پہلے بھی اور وجود کے بعد بھی۔

یہی جواب ہے اس اشکال کا بھی کہ آج کل سائنس دان بہت پہلے بارش کی اطلاع دے دیتے ہیں جب کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ بارش کا علم کسی کو نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ سائنس دان بادل میں بارش کے اثرات، ہوا کی برودت کو دیکھ کر بارش کی اطلاع دیتے ہیں، مان سون ہوائیں اوپر اٹھتیں ہیں تو Waves کے ذریعہ معلوم کر لیتے ہیں کہ یہ کس رفتار سے چل رہی ہیں، کہاں جا کر ٹھنڈی ہو کر بارش بنے گی اور کہاں جا کر اولے اور برف بنے گی اور کتنے گھنٹے کے بعد یہ برس پائے گی ان ساری چیزوں کا حساب لگا کر وہ بارش برف اور اولے کی خبر ایک دو دن پیشگی دے دیتے ہیں۔ لیکن یہ ساری پیشن گوئیاں اثرات اور علامات دیکھنے کے بعد اور حساب لگانے کے بعد دیتے ہیں اثرات اور علامات پیدا ہونے اور اس کو دیکھنے سے پہلے آج بھی کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی، کہاں ہوگی اور کتنی مقدار میں ہوگی۔ اور اللہ تعالی اثرات و علامات کے ظاہر ہونے سے پہلے بھی جانتے ہیں کہ بارش ہوگی یا نہیں ہوگی اور ہوگی تو کتنی ہوگی اور کہاں ہوگی وہ ہر قطرے کو جانتے ہیں اس لئے علامات دیکھ کر اطلاع دینے سے آیت پر اشکال نہیں ہونا چاہئے۔ آیت آج بھی اپنے معنی میں زندہ جاوید اور سدا بہار ہے۔

فقہ وفتاوی

ادارہ

Usdtonاور Wdcایپ سے پیسے کمانا

سوال.....ایک ایپ ہے جس کا نام (Usdton) ہے، سب سے پہلے اس میں مثلاً سوڈالر جمع کیے جاتے ہیں، تو وہ اس پر کاروبار کرتے ہیں اور یہ معلوم نہیں کہ کون سا کاروبار کرتے ہیں اور پھر ہر دن کے اعتبار سے ان کو اس کا 5٪ فیصد دیتے ہیں اور یہ سلسلہ تقریباً چھ ماہ تک مسلسل چلتا رہتا ہے، پھر چھ مہینے مکمل ہونے کے بعد یہ سلسلہ مکمل طور پر ختم ہوجاتا ہے اور ابتداء میں جمع کی ہوئی رقم بھی واپس نہیں کی جاتی ہے، اب اگر یہ معاملہ آگے مزید چلانا ہو، تو اور رقم جمع کرانی پڑتی ہے اور اس میں یہ بات بھی پائی جاتی ہے کہ کسی بھی وقت یہ ایپ بند ہوسکتی ہے اور جو رقم جمع کی ہوئی ہے، اس کی واپسی کا کوئی امکان نہیں ہے اور ساتھ میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اس ایپ میں اپنے ساتھ چند متعین افراد کو تیار کرکے اس میں شامل کرے، تو شامل کرنے والے کو ہر مہینے 14٪ فیصد کمیشن بھی دیا جاتا ہے اور یہ تمام کاروائی نیٹ ورک کے ذریعے ہوتی ہے، اس میں وقت بھی لگتا ہے، اس طرح کی ایک اور ایپ ہے، جس کا نام Wdc ہے، اس کے تمام تر معاملات پہلی والی ایپ کی طرح ہیں، فرق اتنا ہے کہ پہلے والی ایپ میں ہر دن کے اعتبار سے جو رقم دی جاتی ہے وہ متعین تھی اور اس ایپ میں غیر متعین ہے۔ جو رقم اس سے کمائی جاتی ہے، اس کا حکم کیا ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

جواب.....واضح رہے کہ کسی بھی ایپ میں سرمایہ جمع کرکے منافع کمانا تب حلال ہوگا کہ جب منافع لینے والے کو معلوم ہو کہ اس ایپ میں شرعی اصولوں کے مطابق جائز کاروبار کیا جاتا ہے اور حاصل شدہ منافع کا ٹھیک حساب لگا کر حصہ داروں کو تقسیم کیا جاتا ہے اور مقررہ منافع اصل رقم کے بدلے میں نہیں ہوتا، چوں کہ صورت مسئولہ میں نہ تو یہ معلوم ہے کہ اس رقم کے ذریعہ کیا جانے والا کاروبار حلال ہے یا حرام، نیز اس میں ملنے والا منافع بھی اصل رقم کے بدلے میں ہے، جو کہ شرعاً سود ہے اور ایپ میں مزید شامل کیے جانے والے افراد کو ملنے والا منافع بغیر محنت اور عمل کے ہے، جو کہ ناجائز ہے اور اصل سرمایہ ڈوب جانے کی وجہ سے اس ایپ سے کمانا ہی باطل ہوجاتا ہے اور پھر کسی بھی وقت ایپ کے بند ہونے کے خطرے کے باعث ان دونوں ایپ کی بنیاد دھوکہ اور فراڈ پر ہے، اس لیے اس طرح کی ایپ میں کام کرنا اور اس سے منافع حاصل کرنا شرعاً حرام ہے اور اس سے حاصل شدہ منافع اگر اصل مالک کو واپس کرنا ممکن ہو، تو اسے واپس کرنا ضروری ہے ورنہ فقراء پر بلا نیت ثواب صدقہ کردیا جائے۔

کاروبار میں رقم کم یا زیادہ آجانے کی صورت میں شرعی حکم

سوال..... 1..میں پاپڑ کی کمپنی میں کام کرتا ہوں، میری ذمہ داری یہ ہے کہ میں دکانوں سے آرڈر لاتا ہوں اور پیسے بھی اسی وقت وصول کرتا ہوں، لیکن اس وقت پیسے نہیں گنتا، کیوں کہ وہ دس، دس کی گڈیاں ہوتی ہیں اور وقت کم ہوتا ہے، لہٰذا میں کمپنی آکر پیسے گنتا ہوں تو اکثر دس والی گڈیوں میں 100 یا 150 کم نکلتے ہیں، معلوم نہیں ہوتا کہ کس دکان والے نے پیسے کم دیے ہیں، اب مجھے اپنی جیب سے پیسے بھرنے پڑتے ہیں، اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ پیسے زیادہ نکل آتے ہیں تو اب یہ رقم میں آنر کو دوں یا دکان دار (جو معلوم نہیں ہے) کو دوں یا میں ان پیسوں کے بدلے رکھ لوں جو میں نے پہلے بھرے ہیں۔

2..اسی طرح کبھی ایک دکان کا آرڈر لیا اور واپس آکر پیسے گنے جو کم تھے، دکان دار کو بتایا وہ نہیں مان رہا، اب میں نے اپنی جیب سے لگا دیے، پھر اسی دکان دار نے دوسرا آرڈر دیا اور اتفاق سے اتنے پیسے زیادہ نکل آئے، جو میں نے بھرے تھے تو کیا اب میں یہ پیسے استعمال کرسکتا ہوں؟

3..یہ پیسوں کی کمی بیشی میں گنہگار کون ہوگا؟ میں یا دکان دار یا آنر؟

جواب..... 1..صورت مسئولہ میں چوں کہ یہ رقم آپ کے حق سے زائد آپ کے پاس آئی ہے، اس لیے آپ پر لازم ہے کہ اسے اصل مالک تک پہنچا دیں اور اگر اس تک رسائی حاصل نہ ہو تو اس رقم کو اصل مالک کی جانب سے صدقہ کریں اور اگر خود مستحق ہیں تو اپنی ضروت میں بھی صرف کرسکتے ہیں، لیکن دونوں صورتوں میں اصل مالک نے رقم کا مطالبہ کیا تو آپ پر ادائیگی لازم اور ضروری ہوگی، البتہ یہ رقم آنر کو دینا درست نہیں ہے۔

2..صورت مسئولہ میں اگر واقعی اسی دکان دار نے کم پیسے دیے تھے جس کی زائد رقم آپ کے پاس آئی ہے تو آپ اپنے حق کے بقدر اس میں سے لے سکتے ہیں۔

3..رقوم کا لین دین چوں کہ آپ اور دکان داروں کے بیچ ہوتا ہے، اس لیے حساب کتاب میں احتیاط نہ کرنے کا وبال آپ دونوں پر آئے گا۔ ہاں اگر آنر کو اس بارے میں علم ہے تو وہ بھی بری الذمہ نہ ہوگا۔

رات کی ڈیوٹی کرنا کیسا ہے؟

سوال.....رات کی شفٹ کی ڈیوٹی کرنا کیسا ہے؟ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے رات کو تو سونے کے لیے اور دن کو کمانے کے لیے بنایا ہے، لیکن میں نے فضائل اعمال کی تعلیم میں سنا ہے کہ جس کا مفہوم ہے کہ رات میں تین گروہ بن جاتے ہیں، ایک عبادت میں مصروف ہوجاتا ہے تو اس کی رات اس کے لیے اجر بن جاتی ہے، دوسری جماعت برائیوں میں لگ جاتی ہے جس کی وجہ سے ان کی رات ان کے لیے وبال ہے اور تیسری جماعت سوجاتی ہے، تو وہ ایسا ہے کہ نہ اس نے کچھ کمایا اور نہ کھویا تو رات کو کام کرکے حلال رزق لانا جو عبادت ہے کیسا ہوگا؟ اور اللہ تعالیٰ نے دن کو معاش کمانے اور رات سونے

کے لیے بنائی ہے، اسکا کیا مطلب ہے؟

جواب..... بے شک اللہ رب العزت نے دن کمانے کے لیے اور رات آرام وسکون کے لیے بنائی ہے، لیکن اگر کوئی شخص رات کو حلال روزی کماتا ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دن کو معاش کمانے اور رات کو سونے کے لیے بنایا ہے (یعنی انسانی فطرت ایسی بنائی ہے)، مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے دن اور رات کا نظام ایسا بنایا ہے کہ دن میں سورج کی روشنی میں انسان تجارت صناعت اور دیگر کام نیز نقل وحرکت با آسانی کرسکتا ہے (کسی منصوعی روشنی کی ضرورت نہیں پڑتی) اور رات کو سورج کو چھپا کر انسان کو راحت وسکون کا موقع فراہم کیا ہے، نیز رات کو سورج کی گرمی سے بھی چھٹکارا عطا فرمایا ہے تا کہ دن کا تھکا ہارا انسان اطمینان وسکون کا سانس لے سکے۔

ماں باپ کا ہبہ میں رجوع کرنے کا حکم

سوال..... میری امی کافی دنوں سے مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ "تم میرے گھر آؤ، مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے اور تمہیں کچھ دینا ہے۔ پھر میں جب امی کے گھر گئی تو انہوں نے میری بیٹی کو گواہ بنا کر مجھے کچھ سونا دیا۔ بیٹی کی عمر 20 سال ہے اور انہوں نے میری بیٹی کو گواہ بنا کر کہا کہ یہ سونا جو میں تمہیں دے رہی ہیں تم مجھ سے وعدہ کرو کہ جب تم اپنے لیے گھر لوگی تب ہی اس کی رقم کو استعمال کروگی تو میں نے کہا ٹھیک ہے۔

پھر میں نے اپنی امی سے پوچھا کہ آپ نے اچانک یہ سب مجھے کیوں دیا، میں نے تو آپ سے نہیں مانگا تھا تو انہوں نے کہا کہ یہ میرے کسی کام کا نہیں ہے اور تمہیں گھر لینا ہے تو یہ کام آجائے گا انہوں نے میری بیٹی کو بھی گواہ بنایا کہ یہ میں نے تمہاری امی کو دیا ہے۔ پھر کچھ ہفتوں کے بعد امی نے کہا کہ وہ سونا میری امانت ہے تم واپس دے دینا۔

کسی کو کوئی چیز دے کر واپس مانگنا، اس کے بارے میں اسلام کیا کہتا ہے؟ کوئی چیز کسی کو دیتے وقت کہے گئے الفاظ کی کیا اہمیت ہے؟ اس صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب..... واضح رہے کہ اگر کسی کو کوئی چیز بطور ملک دی جائے اور وہ اس پر قبضہ بھی کرلے، تو وہ چیز اس کی ملک میں داخل ہوجاتی ہے، البتہ اس سے رجوع (واپس کرنا) اگرچہ ناپسندیدہ ہے، لیکن درست ہے، مگر کچھ تعلقات اور رشتہ داریاں ایسی ہیں کہ جن میں جب تحفے، تحائف کا معاملہ ہو تو واپس لینے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی، انہی تعلقات میں سے ایک اولاد اور ماں باپ کا تعلق اور رشتہ ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں ذکر کردہ صورت حال اگر حقیقت پر مبنی ہے تو والدہ نے آپ کو جو سونا دیا تھا اس کو واپس لینا درست نہیں، لیکن اگر آپ ماں کو واپس کردیں تو یہ آپ کا ماں کے ساتھ حسن سلوک ہوگا۔

افسانہ

قصہ چہار درویش

قسط: ۲ از: میر امن دہلوی

(گذشتہ سے پیوستہ) خردمند، ان کے باپ کا وزیر تھا، جب یہ شہزادے تھے، تب سے محبت رکھتا تھا، علاوہ دانا اور نیک اندیش تھا، کہنے لگا خدا کی جناب سے ناامید ہونا ہرگز مناسب نہیں۔ جس نے ہیژدہ ہزار عالم کو ایک حکم میں پیدا کیا، تمھیں اولاد دینی اس کے نزدیک کیا بڑی بات ہے؟ قبلہ عالم اس تصورِ باطل کو دل سے دور کرو، نہیں تو تمام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ اور یہ سلطنت کس کس محنت اور مشقت سے تمھارے بزرگوں نے اور تم نے پیدا کی ہے؟ ایک ذرا میں ہاتھ سے نکل جائے گی اور بے خبری سے ملک ویران ہو جائے گا۔ خدانخواستہ بدنامی حاصل ہوگی۔

اس پر بھی باز پرس روزِ قیامت کی ہوا چاہے کہ تجھے بادشاہ بنا کر، اپنے بندوں کو تیرے حوالے کیا تھا، تو ہماری رحمت سے مایوس ہوا اور رعیت کو حیران پریشان کیا۔ اس سوال کا کیا جواب دو گے؟ پس عبادت بھی اس روز کام نہ آئے گی۔ اس واسطے کہ آدمی کا دل خدا کا گھر ہے۔ اور بادشاہ فقط عدل کے واسطے پوچھے جائیں گے۔ غلام کی بے ادبی معاف ہو، گھر سے نکل جانا اور جنگل جنگل پھرنا، کام جوگیوں اور فقیروں کا ہے۔ نہ کہ بادشاہوں کا۔ تم اپنی جگہ کام کرو، خدا کی یاد اور بندگی جنگل پہاڑ پر موقوف نہیں۔ آپ نے یہ بیت سنی ہوگی۔

خدا اس پاس، یہ ڈھونڈے جنگل میں ڈھنڈھورا شہر میں، لڑکا بغل میں

اگر منصفی فرمایئے، اور اس فدوی کی عرض قبول کیجئے، تو بہتر یوں ہے کہ جہاں پناہ ہر دم اور ہر ساعت دھیان اپنا خدا کی طرف لگا کر، دعا مانگا کریں۔ اس کی درگاہ سے کوئی محروم نہیں رہا۔ دن کو بندوبست ملک کا اور انصاف، عدالت غریب غربا کی فرمائیں، تو بندے خدا کے دامنِ دولت کے سایے میں امن وامان خوش رہیں، اور رات کو عبادت کیجئے اور درود پیغمبر کی روحِ پاک کو نیاز کر کر درویش گوشہ نشین متوکلوں سے مدد لیجئے، اور روز راتب، یتیم، اسیر، عیال داروں، محتاجوں اور رانڈ بیواؤں کو کردیجئے۔ ایسے اچھے کاموں اور نیک نیتوں کی برکت ہے، خدا چاہے تو امید قوی ہے۔ کہ تمھارے دل کے مقصد اور مطلب سب پورے ہوں۔ اور جس واسطے مزاجِ عالی مکدر ہو رہا ہے۔ وہ آرزو بر آوے، اور خوشی خاطر شریف کو ہو جاوے۔ پروردگار کی عنایت پر نظر رکھیے۔ کہ وہ ایک دم میں جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ بارے خردمند وزیر کے ایسی ایسی عرض معروض کرنے سے آزاد بخت کے دل کو ڈھارس بندھی۔ فرمایا، اچھا تو جو کہتا ہے بھلا یہ بھی کر دیکھیں، آگے جو اللہ کی مرضی ہوگی، سو ہوگا۔

جب بادشاہ کے دل کو تسلّی ہوئی، تب وزیر سے پوچھا کہ اور سب امیر وکبیر کیا کرتے ہیں اور کس طرح ہیں؟ اس

نے عرض کہ کہ سب ارکانِ دولت قبلہ عالم کے جان و مال کو دعا کرتے ہیں۔آپ کی فکر سے سب حیران و پریشان ہو رہے ہیں۔ جمال مبارک اپنا دکھایئے تو سب کی خاطر جمع ہووے، چناں چہ اس وقت دیوانِ عام میں حاضر ہیں۔ یہ سن کر بادشاہ نے حکم کیا، انشاءاللہ تعالیٰ کل دربار کروں گا، سب کو کہہ دو حاضر رہیں۔

خردمند یہ وعدہ سن کر خوش ہوا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا دی کہ جب تلک یہ زمین و آسمان برپا ہیں، تمھارا تاج و تخت قائم رہے۔ اور حضور سے رخصت ہو کر خوشی خوشی باہر نکلا، اور یہ خوش خبری امراؤں سے کہی۔ سب امیر ہنسی خوشی گھر کو گئے۔ سارے شہر میں آنند ہو گئی۔ رعیّت، پرجا، مگن ہوئی کہ کل بادشاہ دربارِ عام کرے گا۔ صبح کو سب خانہ زاد اعلیٰ ادنیٰ، اور ارکانِ دولت چھوٹے بڑے، اپنے اپنے پائے اور مرتبے پر آ کر کھڑے ہوئے، اور منتظر جلوہ بادشاہی کے تھے۔

جب پہر دن چڑھا ایک بارگی پردہ اٹھا اور بادشاہ نے برآمد ہو کر تختِ مبارک پر جلوس فرمایا۔ نوبت خانے میں شادیانے بجنے لگے۔ سبھوں نے نذریں مبارک بادی کی گزرانیں۔ اور مجرے گاہ میں تسلیمات و کورنشات بجالائے۔ موافق قدر و منزلت کے ہر ایک کو سرفرازی ہوئی۔ سب کے دل کو خوشی اور چین ہوا۔ جب دو پہر ہوئی، برخاست ہو کر اندرونِ محل داخل ہوئے، خاصہ نوشِ جان فرما کر خواب گاہ میں آرام کیا۔ اس دن سے بادشاہ نے یہی مقرر کیا کہ ہمیشہ صبح کو دربار کرنا، اور تیسرے پہر کتاب کا شغل یا درود وظیفہ پڑھنا، اور خدا کی درگاہ میں توبہ استغفار کر کر، اپنے مطلب کی دعا مانگنی۔

ایک روز کتاب میں بھی لکھا دیکھا، کہ اگر کسی شخص کو غم یا فکر ایسی لاحق ہو کہ اس کا علاج تدبیر سے نہ ہو سکے تو چاہیے کہ تقدیر کے حوالے کرے اور آپ گورستان کی طرف رجوع کرے، درود طفیل پیغمبر کی روح کے ان کو بخشے، اور اپنے تئیں نیست و نابود سمجھ کر، دل کو اس غفلت دنیوی سے ہوشیار رکھے، اور عبرت سے رووے، اور خدا کی قدرت کو دیکھے کہ مجھ سے آگے کیسے کیسے صاحب ملک و خزانہ اس زمین پر پیدا ہوئے؟ لیکن آسمان نے سب کو اپنی گردش میں لا کر خاک میں ملا دیا۔ یہ کہاوت ہے۔

چلتی چکی دیکھ کر، دیا کبیر ارو　　دو پاٹن کے بیچ آ، ثابت گیا نہ کو

اب جو دیکھیے سوائے ایک مٹی کے ڈھیر کے ان کا کچھ نشان باقی نہیں رہا اور سب دولتِ دنیا گھر بار، آل اولاد، آشنا دوست، نوکر چاکر، ہاتھی گھوڑے چھوڑ کر اکیلے پڑے ہیں۔ یہ سب ان کا کچھ کام نہ آیا، بلکہ ان کا کوئی نام بھی نہیں جانتا کہ یہ کون تھے اور قبر کے اندر کا احوال معلوم نہیں کہ (کیڑے مکوڑے چیونٹے سانپ ان کو کھا گئے یا) ان پر کیا بیتی اور خدا سے کیسی بنی۔ یہ باتیں اپنے دل میں سوچ کر ساری دنیا کو پیکھنے کا کھیل جانے، تب اس کے دل کا غنچہ ہمیشہ شگفتہ رہے گا، کسو حالت میں پژمردہ نہ ہوگا۔ یہ نصیحت جب کتاب میں مطالعہ کی، بادشاہ کو خردمند وزیر کا کہنا یاد آیا اور دونوں کو مطابق پایا۔ یہ شوق ہوا کہ اس پر عمل کروں، لیکن سوار ہو کر اور بھیڑ بھاڑ لے کر، پادشاہوں کی طرح سے جانا اور پھرنا، مناسب نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ لباس بدل کر رات کو اکیلے مقبروں میں یا کسی مردِ خدا گوشہ نشین کی خدمت میں جایا کروں، اور شب بیدار ہوں، شاید ان مردوں کے وسیلے سے دنیا کی مراد اور عاقبت کی نجات میسر ہو۔ (جاری)

جامعۃ السعادۃ واسعادالبنات کیرانہ

شاخ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

''جامعۃ السعادۃ'' مغربی یوپی کے مردم خیز قصبہ ''کیرانہ، شاملی'' کا ایک عظیم ومنفرد ادارہ ہے۔ جس کے مقاصد میں سے قرآن وحدیث کی ترویج واشاعت کے ساتھ، ایسے باصلاحیت رجال کار تیار کرنا ہے، جو ملت اسلامیہ کی علمی، دینی اور فکری قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں اور اپنی خوابیدہ قوم کو بیدار کرسکیں۔

یہ ادارہ ۱۴۲۸ھ سے علم کی شمع جلانے اور اس کی لو کو تیز کرنے میں مصروف ہے، بچوں اور بچیوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ، عربی، اردو اور انگریزی زبان بولنے ولکھنے کی ان کے اندر صلاحیت پیدا کرنے اور صحیح ڈھنگ سے ان کی تربیت کرنے، نیز عوام الناس میں دینی بیداری پیدا کرنے اور انہیں اسلامی تعلیمات سے واقف کرانے کے لئے اس کے خصوصی تعلیمی وتربیتی پروگرام اور انتہائی علمی ووقیع ماہ نامہ ''تحقیقات اسلامی'' کی پابندی کے ساتھ اشاعت ایسے کارنامے ہیں کہ کم ہی ادارے اس قلیل مدت میں اس منزل کو حاصل کر پاتے ہیں۔ جامعہ کی مستقل اپنی انتہائی خوبصورت ودیدہ زیب دومنزلہ عمارت ہے، جس میں تعلیمی، تربیتی اور دعوتی ۱۴ر شعبے قائم ہیں۔ طلبہ کی ایک کثیر تعداد دارالاقامہ میں مقیم ہے جن کے قیام وطعام اور لباس وفوری علاج کا جامعہ کفیل ہے اور دیگر ہر طرح کی سہولیات انہیں فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

جامعہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملحق ہے، اور دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی کے نصاب کے مطابق ثانویہ اولیٰ سے عالیہ ثانیہ تک کی تعلیم کے ساتھ حفظ مع تجوید، ناظرہ قرآن کریم، دینیات اور حکومت ہند سے منظور شدہ: جامعۃ السعادۃ پبلک اسکول کے تحت درجہ آٹھ تک کی تعلیم ماہر اساتذہ کی نگرانی میں جاری ہے۔

جب کہ بچیوں کی خصوصی تعلیم وتربیت کے لئے علاحدہ سے ''جامعہ اسعادالبنات'' قائم ہے۔ اس کی بھی دومنزلہ انتہائی محفوظ، خوبصورت اور ہر طرح کی سہولیات سے مزین عمارت ہے۔ بچیوں کی نگرانی اور ان کی تعلیم وتربیت کے لئے باصلاحیت عالمائیں مامور ہیں، یہ ادارہ بھی ندوۃ العلماء سے ملحق ہے۔ جس میں ندوہ ہی کے نصاب ونظام کے مطابق از درجہ پرائمری تا دورہ حدیث شریف کی تعلیم جاری ہے، ساتھ ہی کمپیوٹر اور دست کاری (سلائی، کڑھائی، امور خانہ داری) بھی سکھائی جاتی ہے۔

جامعہ کی مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ مخیّر حضرات سے اپیل ہے کہ صدقات، زکوۃ اور عطیات کی رقوم سے جامعہ کا تعاون فرمائیں۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین

محمد عرفان ثاقب قاسمی
محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ، کیرانہ ضلع شاملی۔ یوپی 247774
رابطہ نمبر 8630449150 / 09319530768

Tehqiqat-e-Islami

Post No. UP/MZN- 86/2015-17 RNI No: upurd/2011/42786
Kairana, Distt. Shamli (U.P) India
E-mail: tahqiqat-eislamia@yahoo.com
Website: www.jamiakairana.com
www.shariyahacademy.com , academy2016web@gmail.com

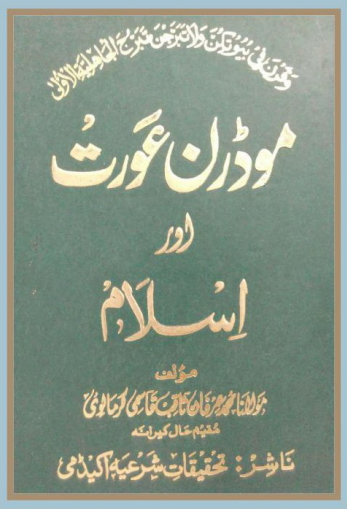

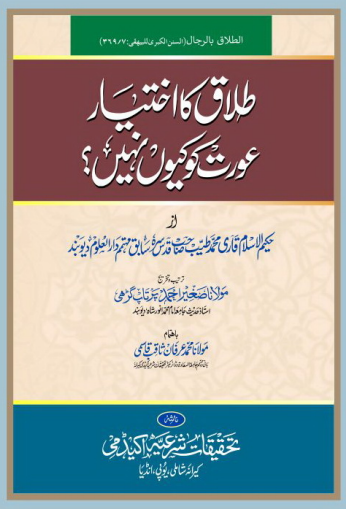

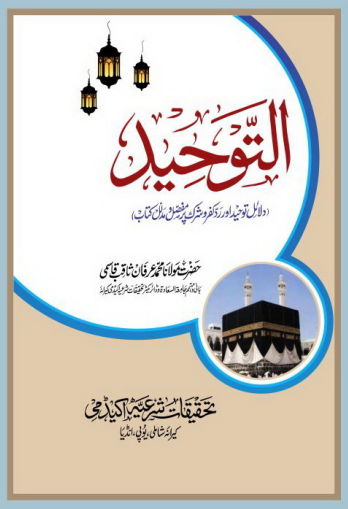

JAMIATUS SA'ADAH
Moh.Ibrahim Pura, (Aal Kalan) Shamli Road,
Kairana, Distt. Shamli U.P Pin: 247774
Mob: 09359602830, 09319530768